وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

اِرشادُ العُلَماءُ

الیٰ تحقیق

مسئلہ سماع الموتیٰ وحیات الانبیاء علیہم السلام

تالیف: شیخ الحدیث

حضرت مولانا عبدالقدیر رحمۃ اللہ علیہ

(اٹک)

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ (الآیۃ القرآن)

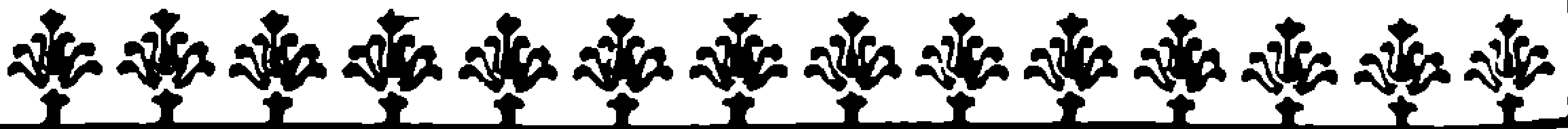
الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (الحدیث)

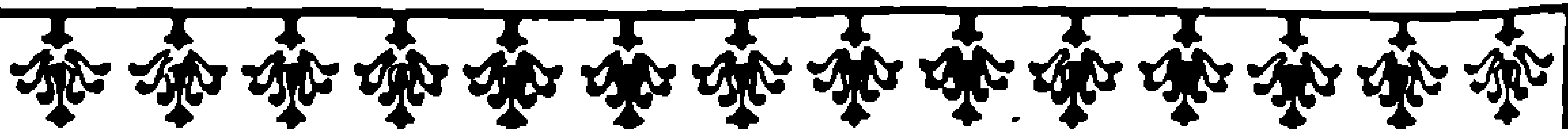
ارشاد العلماء

الی تحقیق

مسئلہ سماع الموتی و حیات الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

از قلم تلمیذ رشید رئیس المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ
و شاگرد فہیم شیخ الاسلام حضرۃ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جامع المنقول والمعقول حضرۃ مولانا عبدالقدیر صاحب
دامت برکاتہم سابق مدرس حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل و حال شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی





ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم
گوجرانوالہ ۰ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفِ چند)

استاذ العلماء مولانا عبدالقدیر رحمۃ اللہ

پیدائش: ۱۹۰۱ء ...... وفات: ۴ر دسمبر ۱۹۹۰ء

آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل، مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ ڈابھیل، دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی میں پڑھاتے رہے۔ جید اکابر اساتذہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ سے شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے بھی پڑھا ہے۔ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تسکین الصدور بھیجی جس کی حضرت الاستاذ مولانا عبدالقدیر رحمہ اللہ نے بھرپور تائید وتوثیق کی اور اس کے ساتھ ٹھوس علمی مواد بھی بھجوایا۔ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے اس کی ترتیب وتہذیب کر کے اپنے ادارہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے شائع کیا۔ یہ نومبر ۱۹۸۷ء کی بات ہے۔ بعد میں اس کے عکس شائع ہوتے رہے۔ کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ ہمیں اس مجموعے میں اس کو شائع کرنے کی سعادت سے قدرت حق سرفراز فرما رہی ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

مبسملا و محمدلا و مصلیا و مسلما امابعد!

راقم اثیم نے کتاب ''تسکین الصدور'' حضرت الشیخ استاذنا المحترم مولانا عبدالقدیر صاحب دامت برکاتہم سابق مدرس حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (انڈیا) وحال شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی کی خدمت اقدس میں پیش کی کہ اس کے بارے اپنی زریں رائے مبارک سے آگاہ فرمائیں جس میں حیات حضرات انبیاء کرام علیہم السلام فی القبور اور عندالقبور ان کے صلوۃ وسلام کے سماع اور استشفاع عندالقبور کے متعلق باحوالہ مبسوط بحث ہے اور ۱۳۷۴ھ تک اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہ تھا اور تمام اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم اس پر متفق تھے اور یہ ان کا اجماعی مسلک تھا لیکن مرحومہ کی بدقسمتی کی وجہ سے اپنے کو دیوبندی کہلانے والے بعض حضرات نے (جن میں جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی سرفہرست ہیں) اس اجماعی مسئلہ میں اختلاف پیدا کیا اور بایں ہمہ اپنی کڑی دارالعلوم دیوبند سے جوڑنے کا اذعا بھی ہے اور عام اموات کے سماع اور عدم سماع کے قرن اول سے اختلافی مسئلہ کو آڑ بنا کر قائلین سماع موتی کو لوئر مشرک بلکہ مشرک اور بدعتی قرار دیا گیا اور ثواب وعذاب قبر کو جس کا متواتر احادیث سے ثبوت ہے اور یہ اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے محض شکوک وشبہات اور اپنی نارسا عقل سے باطل تاویل کی بھینٹ چڑھا دیا کہ ثواب وعقاب تو صرف روح یا جسد مثالی کو ہوتا ہے اور اسی طرح توسل کی جائز اور مشروع شق کا بھی نہ صرف یہ کہ انکار کیا بلکہ اسے شرک و بدعت قرار دیا، غرضیکہ امت مسلمہ اور علماء دیوبند سے منسلک حضرات کے لئے ایک نئے اور شدید فتنے کا دروازہ وا کر دیا۔ بحمد اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ المحترم (مولانا عبدالقدیر) نے باوجود تعلیمی مشاغل، نگاہ کی کمزوری اور پیرانہ سالی کے شفقت کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ تسکین الصدور میں درج شدہ مسائل اور دلائل کی تائید وتصویب ہی فرمائی بلکہ مزید ٹھوس حقائق اور علمی نکات پیش کئے زبان اگرچہ عالمانہ ہے مگر متوسط فہم والا غیر متعصب بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ مناسب معلوم ہوا کہ حضرت کے اس علمی اور تحقیقی مواد کو کتابی صورت میں منضبط کر دیا جائے تاکہ علماء کرام اور طلبہ اور دین سے گہری دلچسپی رکھنے والے حضرات اس سے استفادہ کر سکیں بناء بریں توکلا علی اللہ تعالیٰ ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ اسے شائع کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ صاحب دامت برکاتہم کو فی الدارین جزاء خیر عطاء فرمائے اور ان کے لئے اسے صدقہ جاریہ اور ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین ثم آمین!

''وصلی اللہ تعالیٰ علی رسولہ خیر خلقہ خاتم الانبیاء والمرسلین
وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ واتباعہ الی یوم الدین''

احقر الناس ابوالزاہد محمد سرفراز
صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ وخطیب جامع مسجد گکھڑ
۲۹/ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ، ۲۵/اگست ۱۹۸۷ء

باب اوّل

مسئلہ سماع موتی

الحمد للہ کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

عرصہ ہوا کہ محترم شیخ الحدیث محمد سرفراز صاحب مداللہ ظلہ نے رسالہ طیبہ تسکین الصدور خزینۃ المعقول والمنقول دیا کہ اس کے متعلق اپنا تاثر لکھیں! لیکن مجھے تعلیمی شغل کی وجہ سے اور بالخصوص نگاہ کی کمزوری کی وجہ سے موقع نہ ملا علاوہ ازیں یہ دیکھا کہ اس گلدستہ علم کے متعلق گرامی قدر افاضل علماء کرام اور بعض اساتذہ عظام کی تصدیقات ثبت ہو چکی ہیں۔ان حضرات گرامی قدر وفضلاء کی توثیق کے بعد اور لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟

مشک آں باشد کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

کتاب تسکین الصدور کو دیکھنے والا واقعی اس کتاب کو اسم بامسمیٰ اور صحیح سمجھ کر انشراح صدر پائے گا۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء ووفقہ اللہ لما یحب ویرضی: کتاب نہایت سنجیدگی سے لکھی گئی ہے۔مقصد کے لئے وافی اور کافی ہے۔مزید لکھنے کی حاجت نہیں۔نسخہ شفاء ہے لیکن شفاء اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔"انک لاتھدی من احببت" آہی چکا ہے۔اجمالا ہمارا فیصلہ وہی ہے، جو حضرت علامہ مہدی حسن رحمہ اللہ مفتی دارالعلوم دیوبند کا (تسکین الصدور ص ۵۰) پر مرقوم ہو چکا ہے۔جس کی تائید اور کئی حضرات محققین راسخین فی العلم فرما چکے ہیں۔ مزید لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں "خیر الکلام ما قل ودل" بزرگوں کا فرمان ہے۔خیال تو یہی تھا لیکن جانب مخالف کے بعض حضرات کی روش نے مجبور کیا کہ کچھ معروضات عرض کروں،قوم کو دانستہ یا نادانستہ مغالطات اور الجھنوں میں ڈالا گیا ہے وہ بزرگان دین کے کلام کو نقل کرتے ہیں اور عمل اپنے ضمیر کے مطابق الٹا ہی کرتے ہیں۔جمنا الٹی چل رہی ہے۔سنتے تھے اب دیکھ بھی لیا۔

فریق ثانی کے بعض حضرات نے سماع موتی کے رد میں رسالہ لکھا ہے اس کے مرتب اس فریق کے دو محقق عالم ہیں۔مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی اور مولانا سید احمد حسین شاہ صاحب سجاد بخاری مولف تفسیر جواہر القرآن کلاں، اس کے ص ۶ پر حضرت علامہ نانوتوی رحمہ اللہ کا فرمان نقل کیا ہے کہ حضرت نے عوام کے سامنے اس مسئلہ کے ذکر کرنے کی اجازت نہیں دی۔بے شک آپ کا فرمان ٹھیک ہے۔کیونکہ "کلم الناس علی قدر عقولھم" آیا ہوا ہے۔اس مسئلہ کے....نازک پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے عوام کی خیر خواہی اور بہبود یہی ہے کہ اس کے دلدل میں ان کو نہ پھنسایا جائے۔بالخصوص کہ یہ مسئلہ قرن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ رہ چکا ہے۔اس فریق کے وکیل نے اسی رسالہ کے ص ۷ پر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ مسئلہ سماع موتی قرن اوّل میں مختلف ہوا۔اسی صفحہ میں تین جگہ اس فرمان کو دہرایا گیا ہے کہ ایسے نازک مسئلہ میں آپ نے فرمایا کہ قطعی فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ کسی ایک فریق کو ضلال پر نہیں کہا جاسکتا۔ہاں! اجتہادی درجہ میں ترجیح کی گنجائش ہوتی ہے۔افسوس کہ فریق ثانی کے بعض حضرات ہر جلسہ میں اس کا ذکر ادا واجب جانتے ہوئے اس کو خدمت دین سمجھتے ہیں۔اس کے سواء ان کو مزا ہی نہیں آتا۔ایسے نازک مسئلہ کو معرکہ جنگ بنانا منبروں پر بیٹھ کر طعن وتشنیع کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ سنجیدہ

طبائع اس غلط رویہ کی مذمت کرتی ہیں۔اس پر نالاں اور شاکی ہیں۔لیکن ان کی بلا سے۔حالانکہ روز محشر میں اس عقیدہ کی نہ پرسش ہوگی نہ جزاء وسزا ملے گی۔آپ لوگوں نے سماع موتی کو قرآن کے مخالف عقیدہ بنا رکھا ہے۔ حالانکہ ابھی آپ کے وکیل نے مسئلہ سماع موتی کو حضرت گنگوہی کے کلام سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلافی اور اجتہادی نظریہ نقل کیا ہے لیکن آپ کے عقیدت مند طبائع مخالفین کو قرآن کا منکر سمجھ کر تلخ لسانی کرنے لگتے ہیں یہ تو ''بل سول لھم الشیطان اعمالھم ''والی بات نظر آتی ہے اور اس سے بجائے خیر کے شر وفساد زیادہ پیدا ہوجاتا ہے۔(آپ کیا کوئی صحیح روایت پیش کر سکتے ہیں کہ یہ مسئلہ تابعین یا تبع تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں علی روس المنابر معرکۃ الاراء محاذ جنگ کبھی بنا ہو؟ اگر انہوں نے خاموشی کا راستہ اختیار کیا ہے تو آپ بھی ''فبھدٰھم اقتدہ'' کا راستہ اختیار کیجئے۔اسی میں خیر ہے۔''وما علینا الا البلاغ ''فریق ثانی کے بعض مدعیان فضل وکمال کو میں نے دیکھا کہ اگر کسی نے سماع موتی کا قول کیا تو جھٹ اس کے برخلاف آیت:''انک لا تسمع الموتی'' پڑھ دی کہ تم تو قرآن کریم کی نص صریح کے خلاف کہتے ہو،اس پر فتوئی جڑنے لگتے ہیں جیسے کہ ان کی عام عادت ہے۔نادان نہیں دیکھتا کہ آیت میں مزید کا صیغہ ہے اور تم مجرد کے صیغے کے دعوی دار ہو۔جس کا مفہوم ہے:''الموتی لا یسمعون'' آیت کریمہ:''انک لا تسمع الموتی'' کا معنی تو یہ ہے کہ تم مردوں کو سنا نہیں سکتے۔حالانکہ جس کے تم قائل ہو،وہ ہے کہ مردے نہیں سنتے۔دیکھئے قرآن کریم میں فرمایا:''لھا ما کسبت'' مجرد کا صیغہ ہے اور اس کے بعد فرمایا: ''وعلیھا ما اکتسبت'' یہ مزید کا صیغہ ہے دونوں میں فرق ہے۔اوّل کی جگہ ثانی غلط ہوگا اور ثانی کی جگہ اوّل غلط ہے۔اسی طرح یہاں مجرد اور مزید کے اور اور جدا جدا معنی ہیں مزید تفصیل نہیں کرسکتا۔

ایک خیال فاسد اور اس کی تردید

فریق ثانی کے بعض مدعیان علم یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ سماع موتی کا قول گمراہی پھیلانے کا راستہ ہے۔اس سے لوگ بزرگوں کی قبروں پر جا کر ان سے مرادیں مانگیں گے جو شرک ہے۔اس لئے انکار سماع واجب ہے اسی میں سلامتی ہے۔سماع موتی شرک کا راستہ ہے۔اس کا بند کرنا دین ہے،کار خیر ہے،توحید کا تقاضا ہے اور یہ انجمن اشاعت التوحید والسنت کا وظیفہ ہے۔اسی وجہ سے ہم مخالفین کو کوستے ہیں،اس نظریہ سے روکتے ہیں۔

جواب باصواب

یہ بہانہ ایک فسانہ ہے جو مطلب سازی کے لئے گھڑا گیا تاکہ جال میں شکار پھنس جائے۔اگر یہ بات ہوتی تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بات کیوں نہ سمجھی؟ آپ نے ابھی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے فرمان میں دیکھا پڑھا کہ مسئلہ سماع موتی قرن اوّل میں مختلف فیہا رہا ہے۔بلکہ اس کی اصلی بنیاد تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مبارک ہی بنا ہے۔یعنی ''ما انتم باسمع لما اقول منھم ''یعنی تم سے یہ مردے میری بات اچھی سنتے ہیں۔

اگر آپ کہیں کہ یہ معجزہ کے طور پر ہوا اور ان کے ساتھ مخصوص ہے حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:''احیاھم اللہ'' اور یہی سبق پڑھایا سکھایا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات مسلم نہیں یہ دعوی تخصیص بلا دلیل ہے۔اگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو بطور معجزہ مخصوص سمجھتے تو ان کا قول سماع موتی کا نہ ہوتا اور یہ مسئلہ ان میں مختلف فیہا نہ

ہوتا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کے بیان کو بعض لوگ بطور معجزہ ہونا مخصوص کرتے ہیں کہ کفار بدر کی یہ زندگی خاص حضور ﷺ کی نداء و پکار سننے کے لئے ہوئی۔ حالانکہ یہ ضروری نہیں! ممکن ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ مردوں کا سننا چونکہ عالم اسباب سے نہیں محض بمشیئہ اللہ ہی ہوتا ہے۔ جیسے کہ: ''ولکن اللہ یسمع من یشاء'' کے فرمان خداوندی سے معلوم ہوتا ہے۔ اس موقع میں اسی ضابطہ کے موافق اللہ تعالیٰ نے آپ کی پکار ان کو سنا دی تا کہ ان کو حسرت اور ندامت حاصل ہو جائے۔ اس کے علاوہ اور مواقع میں بھی جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو کسی کا سلام اور کسی کا کلام ان کو سنا دیتے ہیں۔ ''یسمع من یشآء'' اسی عموم کی طرف اشارہ ہے یہ بدر کا واقعہ اس ضابطے کا ایک فرد ہے۔ اس کی تخصیص نہیں اگر معجزہ کے طور سے یہ سننا سنانا ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انکار ہی کیوں کرتیں اور سماع کو علم سے کیوں بدلتیں اور ''انھم لیعلمون ان ما اقول لھم'' حق کیوں فرماتیں؟ وہ انکار تو اس لئے کرتی تھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ جمہور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شدومد سے سماع موتی کے قائل تھے۔

(۱) علاوہ ازیں اس احیاء موتی کو بطور معجزہ نبی ﷺ ان کفار بدر کے ساتھ مخصوص کرنا اس لئے بھی غلط ہے کہ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے سولی پر لٹکایا گیا تو اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ان کی مصلوب لاش کے پاس اظہار حسرت وافسوس کے لئے جانا ہوا تو حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے درد دل کی آواز سے تین مرتبہ السلام علیک کہا۔ اس کے بعد مزید فرمایا کہ اے عبداللہ رضی اللہ عنہ میں تمہیں ان ظالموں سے بچاؤ کرنے کا کہتا تھا یہ جملہ بھی تین مرتبہ فرمایا۔ چنانچہ (مشکوۃ ص ۵۵۲) پر موجود ہے: ''مر علیہ ابن عمر فوقف علیہ فقال السلام علیک یا ابا خبیب'' تین مرتبہ سلام کے بعد فرمایا: ''اما واللہ لقد کنت انھاک عن ھذا'' یہ بھی تین مرتبہ کہا: ''وقال (صاحب المشکوۃ) رواہ مسلم'' یہ روایت (مسلم ج ۲ ص ۳۱۲) میں موجود ہے۔ اس معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس فرمان رسول کو جو بدر والوں سے خطاب فرمایا ہے۔ ان سے مخصوص نہیں کرتے تھے وہ عام سماع موتی کے قائل تھے۔ ہاں! اسماع کے بعد سمع کا ترتب بمشیئۃ اللہ ہی کہا جائے گا۔

غرضیکہ یہ قرن اوّل کا اختلافی مسئلہ ہے۔ اس میں دوٹوک فیصلہ نہیں ہو سکتا جیسے کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا فرمان گزرا۔ صرف انہیں کا نہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی کئی حضرات کا یہی فرمان ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ نبی علیہ السلام کا یہ فرمان سماع موتی پر دال ہے۔ تخصیص کا دعویٰ اجتہادی نظریہ ہے۔ آپ کسی کو مجبور نہیں کر سکتے کہ تخصیص ضرور ماننی پڑے گی۔ بلکہ آپ کو اس کے لئے شارع علیہ السلام کی نص صریح بتانی ہوگی اور اگر کوئی ایسی نص ہوتی تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کیسے بے خبر رہ سکتے تھے۔ بے شک مردوں سے مرادیں مانگنا جرم ہے، غلط کاروائی ہے۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ سنتے نہیں وہ سنیں یا نہ سنیں یہ باتیں فی نفسہ شرک ہیں۔ خواہ زندوں سے اس طرح کی مرادیں مانگیں یا مردوں سے...... مسئلہ سماع موتی بعض احادیث کی روشنی سے مسلم ہے۔ آپ کو تردید کرنی ہے تو شرکیہ باتوں کی کریں مردوں سے مرادیں مانگنے کے عقیدے سے روکیں لیکن اتنا تو ملحوظ رہے کہ مردوں کے سننے کے عقیدے نے یہ باتیں ان کو نہیں سکھائیں۔ یہ باتیں عقیدہ شرک سے ناشی ہیں خواہ زندوں سے کہی جائیں یا کسی مردے مدفون سے باقی یہ بات کہ اے بزرگ صاحب قبر۔ میرے لئے تم خدا سے دعا کرو یہ زندہ شخص سے کہنی جائز ہے تو مردہ مدفون سے بھی جائز ہوگی لیکن بے سود۔ کیا معلوم کہ اس کو یہ بات پہنچی یا نہیں۔ ''ان اللہ یسمع من یشآء'' آیا ہوا ہے اسباب

وصول کے کارآمد نہیں بنتے کیونکہ دارالاسباب سے میت نکل چکی ہے۔ براہ راست خداوند کریم سے مانگنا ہی اسلم طریقہ ہے۔ ہاں! زندہ صالح شخص سے یہ استدعا درست ہونے کے ساتھ مفید بھی بنتی ہے۔ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ مصیبت میں جتلاء ہونے والے آنحضرت ﷺ سے دعا کی التجا کرتے اور آپ دعا فرماتے تھے۔ مثلاً (بخاری ج۱ص ۱۳۷) میں بارش کے نزول کے لئے ایک سائل نے آپ ﷺ سے درخواست کی "فادع اللہ ان یغیثنا قال فرفع رسول اللہ ﷺ یدیہ" الحاصل سماع موتی کا عقیدہ منجر شرک کی طرف نہیں بنتا۔ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے قائل نہ ہوتے اور احادیث میں اس کا تذکرہ نہ ہوتا جیسے کہ گزر چکا۔

(۲) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال پر یہ فرمان نبوی ﷺ "ما انتم باسمع لما اقول منھم" نقل کر رہے ہیں جو سماع موتی کی راہ نمائی کرتا ہے۔ (بخاری ج۲ص ۵۶۶ و مسلم ج۲ص ۳۸۷) اگر چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا انکار فرما رہی ہیں لیکن محدثین کرام رحمہم اللہ کا اس بارے میں محاکمہ یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا بوقت فرمان اس موقع پر موجود ہی نہ تھیں۔ یہ تخطیہ محض اپنے گمان اجتہادی سے کر رہی ہیں۔ انہوں نے کوئی مرفوع روایت بالمقابل پیش نہیں کی۔ ایسے موقع میں مرفوع روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال والی ہی قابل قبول ہوگی۔ بالخصوص کہ یہ فرمان: "ماانتم باسمع" اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے "انھم الآن لیسمعون ما اقول لھم" (بخاری ج۲ص ۵۶۷) کا ارشاد صحیح اور مرفوع حدیث سے ثابت ہے اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسے نقل کر رہے ہیں۔ حسب قواعد شرعیہ ترجیح حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہی کو ہوگی۔ چنانچہ (بذل المجہود ج۲ ص۴۷۸) میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے: "ھذا مصیر من عائشۃ رضی اللہ عنہا الی رد روایۃ ابن عمر رضی اللہ عنہ المذکورۃ وقد خالفھا الجمھور علی ذالک وقبلوا روایۃ ابن عمر رضی اللہ عنہ لموافقۃ من رواہ غیرہ" اس سے مسئلہ سماع موتی کی حقانیت ثابت ہو رہی ہے۔ کیونکہ صحیح اور صریح روایت اس کی شہادت دے رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا استدلال نفی سماع موتی پر جو "انک لا تسمع الموتی" سے انہوں نے کیا تھا اس کو نا تمام سمجھا کہ اس میں اسماع یعنی صیغہ مزید کی نفی کی گئی ہے۔ اس سے نفس سماع صیغہ مجرد کی نفی نہیں ہوتی۔ آیت میں صرف یہ بیان ہے کہ تم اپنے طور سے مردوں کو اپنا کلام پہنچا نہیں سکتے کیونکہ وہ اس جہان عالم اسباب سے نکل چکے ہیں۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ (فتح الملہم ج۲ص ۴۷۶) پر فرماتے ہیں: "نفی القرآن العزیز الاسماع من العباد وما افصح بنفی السماع من الاموات" یہی بات (فیض الباری ج۲ص ۴۶۷ اور ۴۶۸) میں حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ سے نقل کی گئی ہے۔ "قیل بالفرق بین السماع والاسماع المنفی ھو الثانی دون الاول" یعنی آیت میں اسماع کی نفی کی گئی ہے نہ کہ نفس سماع کی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ فریق ثانی کے بزرگوں کا سماع موتی کے انکار میں اس آیت کریمہ کو پیش کرنا محض بے سود اور بے محل ہو کر ایک مغالطہ ہی ہے اور وہ لوگوں کو غلط اثر دیتے ہیں کہ سماع موتی کا عقیدہ قرآن کے مخالف ہے۔ معاذ اللہ تعالیٰ! اگر ایسا ہوتا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سماع کے قائل کیسے ہوتے۔ جب کہ بعض حضرات اہل تحقیق یہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں منفی وہ اسماع ہے جو نافع بنتا ہے۔ یعنی "لا تسمعھم سماعا ینفعھم" اس قید سے اصل سماع کی نفی ثابت نہیں ہوگی اور یہ معنی اس صورت میں زیادہ اقرب ہوں گے۔ جب آیت مذکورہ کو کفار کے بارے میں نازل کہا

جائے یعنی موتی سے مراد کفار ہوں۔ چنانچہ اس کے بعد آیت کریمہ: ''ان تسمع الا من یؤمن بایتنا'' بھی اسی کا قرینہ ہے کہ آپ کا سنانا مومنوں کو ہی نافع ہے کہ وہ مان کر رضائے الٰہی حاصل کرتے ہیں۔ نیز اس معنی کے اقرب ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ کفار سنتے تو ہیں لیکن یہ سماع ان کے حق میں نافع نہیں۔ فرمان خداوندی ''وجحدوا بها واستیقنتها انفسهم ظلما وعلوا'' بھی اسی کی شہادت ہے۔ کیونکہ یقین سننے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔

(فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷) میں ہے: ''والاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر'' یعنی فی الجملہ سمع اموات کے متعلق احادیث تواتر تک پہنچ چکی ہیں۔ اس لئے مطلقا سماع موتی کا انکار کرنا غلط محض اور خلاف شرع ہوگا۔ لہٰذا آیت میں قید سماعا ینفعهم کی ضروری ہوگی۔ یعنی زندہ کفار آپ کا کلام سنتے تو ہیں لیکن نفس سننا ان کو نافع نہیں۔ جب تک انشراح صدر کے ساتھ قبول نہ کریں جس طرح مردے جو مر گئے اور دار الجزاء کو جا چکے ہیں۔ اس وقت صرف سننا ان کو بھی نافع نہیں۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا فرمان

بعض جاہل یہ کہہ دیتے ہیں کہ آیت قطعی ہے۔ لہٰذا اسماع موتی قطعا منفی ہوگیا اور یہ حدیث سماع خبر واحد اور ظنی ہے۔ لہٰذا قرآن کے مقابلے میں متروک ہوگی۔ دوسرے ہم خیال بھی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں مگر یہ بھی ایک مغالطہ ہے اور دھوکا ہے۔ فریب سے عوام کو ہم عقیدہ بناتے ہیں یہ بات خواہ کوئی بھی کہے جہالت ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کو غریق رحمت فرمائے وہ عقدہ کشائی فرما گئے ہیں لیکن سمجھنے کے لئے علم اور عقل کی ضرورت ہے۔ ''ومن اللہ الهدایة'' حضرت گنگوہیؒ کا یہ فرمان (سماع موتی ص ۷) پر مذکور ہے۔ فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث: ''ما انتم باسمع لما اقول منهم'' خود حضور علیہ السلام سے سنی ہے تو ان کے لئے یہ حدیث بھی قرآن کی طرح قطعی ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے جو معنی انہوں نے سمجھے اس فہم کی وجہ سے اگر قرآن میں تخصیص کریں تو کر سکتے ہیں۔ یعنی اگر سماع اور اسماع میں فرق نہ کیا جائے اور نہ سماعا کے ساتھ ''ینفعهم'' کی قید لگائی جائے بلکہ مطلق سماع کو منفی کہا جائے اور مدلول آیت بنایا جائے تب بھی حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مروی روایت جو سماع موتی پر دال ہے جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام اموات کا سماع سمجھا۔ تخصیص عموم آیت کے لئے کافی ہے کیونکہ یہ حدیث انہوں نے خود براہ راست جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ یہ حدیث ان کے لئے ایسے ہی قطعی ہے جیسے آیت کریمہ اپنے مدلول میں قطعی ہے تو قطعی فرمان قطعی آیت کے لئے مخصص ہوگیا۔ ظنیت تو بعد میں نقل سے پیدا ہوئی ہے۔ یہی جواب اس کا دیا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مطالبہ ورثہ کے جواب میں فرمایا کہ حضور کا فرمان ہے: ''نحن معاشر الانبیاء لا نورث'' پیغمبر کے مال میں ورثہ نہیں دیا جا سکتا۔ حالانکہ آیت کریمہ میں بیٹی کا حصہ قطعی مذکور ہے مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کو اس سنی ہوئی حدیث سے مخصوص کر دیا کیونکہ یہ حدیث ان کے نزدیک قطعی تھی۔ چنانچہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ (بدائع الفوائد ج ۴ ص ۴۴) میں فرماتے ہیں کہ بعض نے خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ کے عام کی تخصیص کے جواز پر اسی واقعے سے

ل یہ ان کے اصل الفاظ ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چونکہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم زبان سے ''ما انتم باسمع منهم'' سنا تھا تو ان کے نزدیک یہ حدیث بھی قطعی تھی جو معنی انہوں نے سمجھے اس فہم کی وجہ سے اگر تخصیص کریں ہو سکتا ہے۔ (لطائف رشیدیہ ص ۸)

استدلال کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے فرمان: ''لا نورث ما ترکناہ صدقة'' سے آیت میراث کی تخصیص کی ہے۔ لیکن بقول حافظ ابن القیم رحمہ اللہ ابن عقیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا استدلال مستدل کی بے وقوفی ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آیت میراث کی تخصیص بالمشافہ سنتے ہوئے کلام نبی ﷺ سے کی ہے اور وہ کلام نبی ان کے حق میں قطعی ہے اور دلیل قطعی سے عموم قرآن کی تخصیص میں کوئی اختلاف نہیں۔ لہٰذا اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سنا ہوا فرمان نبوی ﷺ آیت کریمہ کا مخصص بن گیا۔ اسی کو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس فہم کی وجہ سے اگر تخصیص کریں تو کر سکتے ہیں۔ ''مامن عام الا وقد خص عنه البعض'' کا مقدمہ مشہور ہی ہے۔ اس کے بعد اصول فقہ کا مسلم قانون ہے کہ عام مخصوص منہ البعض ظنی ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر اخبار آحاد صحیح ہوں یا حسن کے درجے کی ہوں مخصص بن سکتی ہیں۔ اس لئے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کو برحال رکھتے ہوئے تخصیص کی صحت کا قول کیا ہے اور ''خالفها الجمهور علیٰ ذالک'' بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام میں گزر چکا ہے۔ یہی مطلب ہے حضرت کاشمیری رحمہ اللہ کے اس فرمان کا جو نقل کیا گیا: ''والضابطة عدم السماع الا ان المستثنیات فیها کثیرة او کما قال'' یعنی سماع موتی کو ضابطہ تو نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ ضابطہ وہ ہوتا ہے جس پر فروع بالیقین اور ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ یہاں سمع اصوات کا ترتب نہ کلی کہا سکتا ہے نہ اغلب بلکہ محض بمشیۃ اللہ ترتب ہوتا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ سماع قطعاً منفی ہے جیسے کہ منکرین کا خیال ہے، انہیں الفاظ سے منکرین نے حضرت شیخ کاشمیری رحمہ اللہ کو منکرین سماع موتی میں شمار کیا ہے۔ یہ محض ناسمجھی ہے عنقریب مزید بیان آنے والا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا جلسے جلوسوں میں عدم سماع موتی کے ڈنکے بجانا اور دوسروں کو قرآن مجید کے مخالف بنانے کی مذموم و نامشکور سعی کرنا قابل افسوس ہے۔ یہ تو ''ضره اقرب من نفعه'' والی بات ہے۔

اطلاع: بعض محدثین کرام رحمہم اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کلام پر تنقید بھی کی ہے کہ ان کا حدیث: ''ما انتم باسمع منهم'' کا انکار کرنا اس لئے درست نہیں کہ وہ علم اموات کا مانتی ہیں کہ حضور کا فرمان: ''انهم لیعلمون الآن ان ما اقول لهم'' حق ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۶۷) اور علم کا ثبوت محل کی حیوۃ کو چاہتا ہے تو یہ سماع موتی کے مخالف نہیں۔ بلکہ ہر دو موافق ہیں۔ انکار جب صحیح ہوتا کہ ان میں تنافی ہوتی۔ ہر چہ باداباد۔

فرمان حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''وخالفها الجمهور علی ذالک'' گزر چکا ہے۔ نتیجۃ الکلام وخلاصۃ المرام ان حالات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اصل مسئلہ سماع موتی کا اعتراف کیا جائے لیکن اس کو ضابطہ کے درجے میں دائمی نہ رکھا جائے بلکہ بمشیۃ اللہ سے مقید کیا جائے اور نہ صرف معجزہ کے طور سے کہا جائے جیسے کہ مورد حدیث کے ساتھ بعض نے خاص کر دیا ہے یہ تخصیص بلا وجہ ہے[1]۔

حدیث میں اس کے موارد اور بھی ثابت ہیں اور نہ صرف سلام بھیجنے کے وقت کی تخصیص کی جائے اور نہ اوّل زمانہ دفن کے ساتھ مقید کیا جائے جیسے کہ شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ حدیث قرع النعال کی توجیہہ میں فرما گئے ہیں۔ اگر سماع ان مذکوری جزئیات کے ساتھ ہی مخصوص کیا جائے تو اس طرح کرنے سے تو وہی بات بن جائے گی جیسے ظاہریہ

---

[1] (بخاری ج ۲ ص ۵۲۶) قیل أنّه خاص فی حقّ هؤلاء وَرَدَّ عَلَیْهِ القَاضِی وَقَالَ یَحْمِلُ سَمَاعَهُمْ عَلَی مَا یُحْمَلُ عَلَیْهِ سَمَاعُ الْمَوْتَی فِی أَحَادِیثِ عَذَابِ القَبْرِ (الی) قال الشیخ هذا هو المختار۔ (مرقاۃ المصابیح)

نے ربوا کو اشیاء ستہ میں بند کرڈالا ہے۔ کیونکہ حدیث: ''البر بالبر و اشعیر باشعیر و الملح بالملح و التمر بالتمر و الذھب بالذھب و الفضۃ بالفضۃ'' میں صرف چھ چیزوں ہی کا ذکر ہے مگر تمام ائمہ دین رحمہم اللہ ان کے خلاف ہیں۔ ہاں! سماع کو بمشیئۃ اللہ کے ساتھ مقید کیا جائے کیونکہ دارالاسباب سے باہر کی بات ہے۔ جمہور کا یہی قول ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام میں آپ کے کلام میں آپ نے پڑھ لیا ہے اور ''اتبعو االسواد الاعظم'' حکم رسول ﷺ بھی آپ نے پڑھا سنا ہوگا جمہور اسی سواد اعظم کا نام ہے؟ جمہور کو زنبور کہہ کر اس سے جان چھڑانا دین کی خدمت نہیں دین کی تباہی کہی جا سکتی ہے۔ آپ کے پڑھائے سبق کو اپنایا گیا تو خطرہ ہے کہ کہیں فرمان رسول ''من سن سنۃ سیئۃ فلہ وزرھا و وزر من عمل بھا'' کا مصداق نہ بن جائے۔ ''اعاذنا اللہ من ذلک!

صاحب (ندائے حق ص ۳۰۲) میں جمہور کو زنبور کہہ چکے ہیں یہ ضد اور عناد کا ثمرہ نہیں تو اور کیا ہے (تسکین الصدور ص ۳۵۱) میں اس کا شکوہ کیا گیا ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ سماع موتی کا انکار کیا جائے۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کلام کو دیکھنے والوں نے یہ راستہ اختیار کیا ہے اور اس کو حجت بنایا ہے لیکن اس صورت میں بھی اس نفی کو ''الا ان یشآء اللہ'' سے مقید کرنا پڑے گا۔ نفی علی الاطلاق قطعاً باطل ہے۔ مستثنیات کثیرہ حدیث میں آ چکی ہیں۔ بہرصورت یہ اجتہادی نظریہ ہے نہ قرون اولیٰ میں اس طرح اس کو اچھالا گیا۔ نہ دنگل بنایا گیا نہ اب اس کو محاذ جنگ بنایا جا سکتا ہے۔ بزرگوں کی قبروں پر جا کر بے شک بعض لوگ غلط اقوال کہتے ہیں اور ناجائز اعمال کرتے ہیں۔ اس کی اصلاح یہ ہے کہ ان اقوال و اعمال سے انہیں روکا جائے یہ جائز نہیں کہ ان کو قبور صلحاء کی زیارت سے ہی روکا جائے۔ اسی طرح موجودہ صورت میں سماع موتی کا مسئلہ لوگوں کو غلطی میں نہیں ڈالتا۔ بلکہ لوگ اعمال شرکیہ بدعقیدت اور جہالت سے کرتے ہیں پہلے بھی اس کا ذکر آ چکا ہے۔ اس کے بعد مزید ایک مثال عرض کرتا ہوں اس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ انفرادی رائے خواہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی کیوں نہ ہو جمہور کے مقابلے میں قابل قبول نہ ہو گی۔

مسجد میں جنازہ پڑھنا

فقہاء کرام رحمہم اللہ اس کو مکروہ کہتے ہیں بعض احادیث بھی اس بارے میں نقل کرتے ہیں اور صاحب شرح وقایہ ''یحتمل تلویث المسجد'' کی علت بیان کر رہے ہیں۔ اگر چہ یہ علت قاصرہ اور ناتمام ہے لیکن مسئلہ دلائل سے ثابت ہے حضرت سعد بن ابی وقاص فوت ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیغام بھیجا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لایا جائے تا کہ ہم بھی اس کار خیر میں شریک ہو سکیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات کو خلاف اصول سمجھتے ہوئے ناپسند سمجھا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام ہمیشہ جنازہ گاہ میں جا کر جنازہ پڑھاتے رہے حضرت اصحمہ رضی اللہ عنہ نجاشی بادشاہ حبشہ کا غائبانہ جنازہ بھی جنازہ گاہ میں ادا کیا گیا جو مسجد کے قریب ہی تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لوگ بھول گئے کیونکہ حضور ﷺ نے سہیل بن بیضاء کا جنازہ مسجد میں پڑھا تھا حقیقت یہ ہے کہ وہ بھولے نہیں تھے ایک تو نہیں تھا کہ بھول گیا ہو۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیسے بھول گئے وہ جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام کا ہمیشہ کا معمول یہی تھا کہ جنازہ گاہ میں ہی نماز جنازہ ادا کی جائے لیکن سہیل رضی اللہ عنہ بن بیضاء کے واقعہ میں کسی خاص عذر سے نماز مسجد میں پڑھی تھی کسی نے اعتکاف کا عذر بیان کیا کہ آپ معتکف تھے کسی نے بارش کا عذر بیان کیا۔ اس جگہ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان چھوڑ کر جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستہ کو لیا ہے اور متفقہ مسئلہ لکھا ہے کہ مسجد میں جنازہ نہ پڑھا جائے۔ "الا لعذر" آپ بھی شاید فقہاء کے اس نظریہ کو صواب کہتے ہوں گے۔ اس پر عمل کرتے ہوں گے یہی جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کا مسلک ہے۔ مناسب ہے کہ اس کے مطابق سماع موتی کے مسئلہ میں بھی جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے کو اپنائیں بالخصوص کہ اس جانب صریح اور صحیح روایات بھی ثابت ہیں آدھا تیتر اور آدھا بٹیر نا مناسب ہے۔

نوٹ: نجاشی کا جنازہ صرف حضرات کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں غائبانہ تھا۔ ورنہ ان کا جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھا۔ چنانچہ (مسند احمد ج ۴ ص ۴۴۶) میں بسند صحیح حضرت عمران رضی اللہ عنہ بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: "ولا نظن الا انه بين يديه" نیز یہ بحث (زاد المعاد ج ا ص ۱۴۵) اور (نیل الاوطار ج ۴ ص ۵۴) میں بھی ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ اس جگہ بعض لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی درایت کا سہارا لے کر سماع موتی کا انکار کرتے ہیں کہ مائی عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہی مختار تھا مزید تائید کرتے ہیں کہ وہ موتی کو حقیقی معنوں میں لیتی ہیں اور مخالف لوگ موتی سے کفار مراد لیتے ہیں کہ تشبیہا بالموتی ان کو موتی سے تعبیر کیا گیا ہے اور حقیقی معنی مجازی سے اولیٰ ہوا کرتا ہے حقیقت پر حمل کرتے ہوئے وہ اس سے سماع موتی کی نفی کرتی ہیں۔

الجواب: ہم حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذہانت تفقہ سبقت علمی کا انکار نہیں کرتے لیکن یہ جب ہوتا کہ بالمقابل کسی ایک صحابی کا قول اور رائے ہوتی۔ ہم نے تو یہ عرض کیا ہے کہ بالمقابل صحیح اور صریح مرفوع روایت ہے اور راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت وابوطلحہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ قول جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔ "خالفها الجمهور من الصحابة رضی اللہ عنہم" کا حوالہ گزر چکا ہے۔ رہا یہ کہنا کہ وہ حقیقی معنی لیتی ہیں لہٰذا یہی اولیٰ بالقبول ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی معنی مراد نہیں جیسے "صم بكم عمي فهم لا يرجعون" میں کہا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں آیت کریمہ میں: "انک لا تسمع الموتیٰ" کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ مراد موتی سے کفار ہیں۔ دیکھئے (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۸۸) کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے جب انہیں اندازہ ہوا کہ میری موت عنقریب ہے تو فرمایا کہ میرے لئے نئے کپڑوں کا جوڑا تیار کر کے مجھے پہناؤ جب ان سے پوچھا گیا کہ اس وقت نئے لباس کی کیا حاجت ہے۔ تو فرمایا کہ حدیث میں ہے: "الميت يبعث في ثيابه التي يموت فيها" میت کا حشر روز قیامت ان کپڑوں میں ہوگا جن میں اس کی وفات ہوئی۔ اس لئے میں نے یہ نیا لباس طلب کیا ہے۔ غور فرمائیں اگر حدیث کا یہ مطلب ہوتا تو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل بھی اس پر ہوتا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات قریب ہوئی تو فرمایا کہ یہ میری پرانی چادر دھو کر اس کو کفن میں لگا دینا۔ گھر والوں نے کہا یہ تو پرانی ہے تو فرمایا کہ زندہ نئے کپڑے کا زیادہ حقدار ہوتا ہے مجھے نئے کی کیا ضرورت ہے۔ (محصلہ بخاری ج ا ص ۱۸۶)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ثیاب کو حقیقی معنوں میں لینے سے ہوا۔ حالانکہ حدیث کا مطلب یہ نہیں تھا بلکہ ثیاب سے مراد مجازی طور پر اعمال ہیں ورنہ اس پر بقیہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل بھی ہوتا اور وفات سے قبل ان کو جدید لباس پہنایا جاتا۔ اسی لئے "وثيابک فطهر" آیت کریمہ میں بعض نے یہی اعمال اور پاکیزہ اخلاق مراد لئے ہیں۔ اسی طرح آیت کریمہ: "انک لا تسمع الموتیٰ" میں عموماً محدثین ومفسرین حضرات نے کفار مراد لے کر اس کی توجیہہ کی ہے کہ کفار کو موتی سے تشبیہ دے کر ان پر موتی کا لفظ اطلاق ہوا ہے اور آیت کریمہ میں نفی سماع سے مراد نفی انتفاع ہے جیسے علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا: "آية النفي معناها

سماع ھدی'' یعنی کفار کو آپ ہدایت یافتہ نہیں کر سکتے یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوگا اور (نطق انور ص ۱۰۶) پر حضرت شیخ انور صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان نقل کیا ہے۔ ''آیۃ النفی فی نفی انتفاعھم ای اجابتھم'' یعنی کفار آپ کے مواعظ حسنہ سے نفع یاب نہیں ہو سکتے مگر جس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے فیضیاب کر دے جیسے ''انک لا تھدی من احببت ولٰکن اللہ یھدی من یشآء'' میں ہے۔ اسی طرح اموات چونکہ دوسرے جہاں میں جا چکے ہیں۔ آپ اپنی باتیں ان کو نہیں پہنچا سکتے۔ بایں طور کہ وہ انہیں تسلیم اور قبول کر لیں۔ ہاں! مگر جب اللہ تعالیٰ چاہے آپ کی بات ان تک پہنچا دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ کو نفی سماع موتی پر محمول نہیں کرتے بلکہ نفی انتفاع مراد لیتے ہیں۔ حقیقت حال بھی یہی ہے کہ نفی سماع کی جیسے مشبہ کی جانب معتبر نہیں کیونکہ کفار سنتے تو ہیں مگر سننے پر عمل نہیں کرتے۔ اسی طرح مشبہ بہ کی بھی ہے کہ اموات سنتے تو ہیں لیکن دوسرے جہاں کا معاملہ ہونے کی وجہ سے انتفاع نہیں کر سکتے۔ یہ بمشیۃ اللہ ہوگا اور یہ سننا ہمارے ادراک سے ماوراء ہے۔ اسی لئے جب کسی نے ''لا اکلم فلانا'' کی قسم کی ہو تو بعد از مرگ فلاں کلام کرنے والا حانث نہیں ہوتا۔ مزید بیان ان شاء اللہ! بعد میں آئے گا۔ اس بیان سے اتنی بات معلوم ہوگئی کہ آیت کریمہ: ''انک لا تسمع الموتیٰ'' اور ''وما انت بمسمع من فی القبور'' کو سماع موتی کے انکار کی دلیل صریح اور قاطع بنانا اور اس کا ڈھنڈورا پیٹنا ایک غلط بیانی ہے۔ اگر حقیقت حال یہی ہوتی جو آپ حضرات کا دعویٰ ہے تو مذکورہ حضرات اس کو ظاہر سے صرف کر کے آیت کا رخ دوسری طرف کیوں موڑتے۔ صرف عن الظاہر دلیل ہے کہ وہ حضرات ظاہر پر محمول نہیں کرتے جیسے ابھی گزرا کہ: ''المیت یبعث فی ثیابہ التی یموت فیھا'' میں حقیقت مراد لینا اسی طرح مردود ہے جیسے آیت میں حتمی طور پر حقیقت مراد لینا مردود ہے۔ ہاں! اس معنی کو احتمال کے درجہ میں رکھیں تو ہم بھی انکار نہیں کرتے پہلے گزر چکا ہے کہ مسئلہ اختلافی ہے۔ انکار تو ہماری طرف سے اس بات کا ہے کہ یہ آیت کریمہ پڑھ کر سماع موتی کے قائلین کو بزور الفاظ قرآن کا مخالف اور دیوبندیت کے سلسلہ سے خارج اور مبتدع کہا جاتا ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت پر عمل کیا جاتا کہ عوام کی مجالس میں اس کا تذکرہ نہ کیا جائے تو کوئی فتنہ نہ بنتا جماعت میں افتراق پیدا نہ ہوتا اصلاح کے لئے اور مسائل متفقہ کثیر التعداد ہیں۔ اس لئے عدم سماع موتی صرف ہمت محمود نہیں نفع سے زائد نقصان ہوتا ہے اور مزید ہوگا پہلے بھی جیسے کہ گزر چکا۔ ہاں! آپ کے پاس سماع موتی کے انکار پر کوئی صحیح صریح شرعی حجت ہے تو پیش کیجئے یہ آیت تو محتمل کے درجے میں ہے۔ اسی لئے صدر اول میں اختلاف ہوا۔ اس مقام میں ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ سمع کے معنی جیسے گوش گزار کرنا ہوتے ہیں۔ اس طرح سمع کے معنی مان لینا اور قبول کرنا کے بھی آتے ہیں۔ اردو کے محاورہ میں کہتے ہیں کہ میں نے فلاں کو یہ بات کہی لیکن اس نے میری نہ سنی اے فلاں تم خود کہو تو وہ سنے گا۔ قرآن کریم میں بھی فرمایا کہ قیامت کے دن کفار افسوس کرتے ہوئے کہیں گے: ''لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر'' یعنی اگر ہم نے دوسروں کی نصیحت کی باتیں مانی ہوتیں یا اپنے عقل و دانش سے کام لیا ہوتا تو ہم جہنم میں کیوں عذاب اٹھاتے۔ یہاں نسمع سے ماننا اور قبول کرنا ہی مراد ہے۔ کیونکہ صرف سننا تو عذاب سے نہیں بچاتا۔ اگر آیت کریمہ: ''انک لا تسمع الموتیٰ'' میں یہی معنی لیا جائے تو معنی ہوں گے کہ آپ کفار کو اپنی باتیں منوا نہیں سکتے۔ یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے جس کے دل میں آپ کی بات ڈال دے وہ مان لے گا اور قبول کرے گا۔ یہ اس کی مہربانی ہوگی۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے: "ونطبع علٰی قلوبھم فھم لا یسمعون" (الاعراف: ۱۰۰) اور ہم نے مہر کردی ہے ان کے دلوں پر سو وہ نہیں سنتے۔

یعنی نہیں مانتے اور نہیں قبول کرتے۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ کے مقابلے میں کسی قوم کی ضد اور ہٹ اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے تب عادتاً اصلاح حال وقبول حق کا امکان باقی نہیں رہتا۔ (فوائد عثمانیہ) اور حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وما انت بمسمع من فی القبور" یعنی بسبب مہر جباریت کے مردے ہوگئے ہیں۔ قبول کرنے ایمان۔ کے سے ان کو سنانا فائدہ نہیں دیتا ہے۔ (تفسیر بلغۃ الحیران ص ۲۷۹)

اس صورت میں مزید قید "لاتسمع سماء ینفعھم" کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اگر سماع موتی ضابطہ نہیں کہ ہر وقت سننا پایا جائے بلکہ ان شاء اللہ کے ساتھ مقید ہو تو اسی طرح عدم سماع بھی کلیہ نہیں ذخیرہ احادیث فی الجملہ سماع پر دال ہے۔ یہاں بھی "الا ان یشاء اللہ" سے مقید کرنا ضروری ہوگا۔

تعجب کی بات: کہ مصنف رسالہ (سماع موتی ص ۵) پر سماع موتی کے غلط ہونے کی تعلیم وتلقین کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک مرنے کے بعد روح کو اس کے مستقر علیین یا سجین پہنچادیا جاتا ہے۔ قبر میں مدفون بدن ہے جو سننے کی صلاحیت سے محروم ہے اور روح جو سنتی ہے وہ وہاں موجود نہیں۔ سبحان اللہ! کیا ہی عجیب تحقیق ہے۔ شاید معتقدین ومریدین واہ واہ بھی کی ہوگی۔ انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ علیین اور سجین جیل خانے کی شان رکھتے ہیں۔ دروازے کے اندر روح کے داخل ہوتے ہی دروازہ بند کردیا گیا۔ پہرہ دار بھی باہر بٹھا دیئے گئے کہ کوئی روح نکلنے نہ پائے پھر قبر کی طرف ارواح کب لوٹ سکتی ہیں۔

کیوں جناب؟ قبر میں جو مردہ دفن کیا جاتا ہے کیا یہ وہی تو نہیں ہوتا جو جنازہ کی چارپائی پر لوگوں کے کندھوں پر قدمونی کہا کرتا ہے اور "یاویلھا این تذھبون بھا" کہتے ہوئے چیختا چلاتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: "یسمع صوتھا کل شئی الا الانسان ولو سمع الانسان لصعق" (بخاری ج ۱ ص ۱۷۶) اگر روح علیین سجین میں بند ہے اور واپس نہیں ہوتی تو یہ چیختا چلاتا کون کرتا ہے یہ تو قبر کو پہنچانے سے بھی پہلے آگئی۔ آپ نے تو وہی بات کہہ دی جو منکرین عذاب قبر کہا کرتے ہیں۔ اگر آپ کی یہ بات صحیح ہے کہ روح سنتی ہے جو وہاں موجود نہیں تو قبر پر جانے کے وقت سلام کس کو سنایا جاتا ہے۔ حدیث میں تو صرف یہ ہے کہ مرنے کے وقت روح کو اس کے دفتر میں لے جاتے ہیں تاکہ اس کا نام وہاں اندراج کیا جائے۔ "اکتبوا کتاب عبدی فی علیین" اسی طرح سجین بھی۔ ہاں! ان دونوں کو فی الجملہ مستقع اور ٹھکانہ کہا جاسکتا ہے۔ پھر سوچئے کہ اگر روح کا قبر میں بدن سے تعلق نہیں تو کیا محض دھڑ کو بلاتعلق روح کے عذاب ہوتا ہے اور محض دھڑ سے سوال وجواب قبر میں ہوتا ہے۔ آپ نے (رسالہ سماع ص ۷) پر لکھا ہے کہ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بدن نہیں سنتے روح زندہ ہے وہ سنتا ہے۔ اگر قریب ہو آپ کے (ص ۵) والے قول کے روح وہاں موجود ہی نہیں تو قریب ہونے کے کیا معنی اور سنتا ہے کا لفظ تو سماع موتی پر دال ہے تو یہ آپ کے دعویٰ کے مناقض ہے۔ یہ بھی خیال فرمائیں کہ حدیث میں اس وقت میت کا بولنا چیختا چلانا آتا ہے تو اس سے اس کی حیاۃ معلوم ہوتی ہے۔ جب بول سکتا ہے تو سن کیوں نہیں سکتا۔ کئی لوگ بولنے کی طاقت نہیں رکھتے لیکن بات سن لیتے ہیں۔ بیماروں میں ایسا واقعہ دیکھا سنا ہوگا۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ اس وقت روح کا اعادہ بدن کی طرف ہو چکا ہے اور وہ بھی سننے سے اتم درجے کا اگرچہ اعادہ کا وہ درجہ نہیں ہوا جس سے بدن حرکت کرسکتا تھا، کھاپی

سکتا تھا، اب وہ دوسرے جہان کی زندگی میں ہے، جہاں یہ عوارض نہیں ہیں۔ اس اندازے کا اعادہ ہوتا ہے کہ منکر ونکیر کے سوالات کے جواب دے سکے اور آرام و تکلیف کا احساس کر سکے۔ آپ نے (ص ۵) پر فرمایا کہ قبر میں مدفون بدن ہے جو سننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور روح سنتی ہے جو وہاں موجود نہیں۔ جب روح وہاں موجود ہی نہیں تو سوال و جواب منکر ونکیر کا کس سے ہوگا؟ اور عذاب و ثواب کس کو ہوگا جو تواتر سے ثابت ہے۔

نتیجہ کلام: گزشتہ مفصل بیانات سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مسئلہ سماع موتی میں لب کشائی فائدہ مند نہیں بنتی دو ٹوک فیصلہ حق و باطل کا نہیں ہو سکتا۔ رسالہ سماع موتی والے اور ان کے ہم خیال دوست حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کا سہارا لیتے ہیں لیکن دوسری جانب بھی اکابر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال مرفوع روایات کی شہادت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی رسالہ (سماع موتی ص ۱۸) کے حوالہ کے مطابق ان کی اکابر کی تصدیق فرماتے ہوئے تخصیص کے قائل ہیں۔ الغرض! آپ کا گواہ بھی آپ کے خلاف ہی گواہی دے رہا ہے۔ رہا حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول جو آپ نے نقل کیا ہے کہ وہ اس سماع کو جو قلیب بدر والی روایت میں ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ بطور معجزہ نبوی تھا۔ اس واقعہ کے ساتھ سماع کو مخصوص کرتے ہیں۔ سود مند نہیں۔ کیونکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس پر مطمئن نہیں۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ مسئلہ سماع موتی قرن اوّل سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ بندہ کے نزدیک مختلف فیہا مسئلہ میں فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن آپ تو فیصلہ کر چکے ہیں کہ سماع موتی کے قائلین قرآن کے خلاف ہیں۔ ''وغیر ذالک من القبائح'' کے مرتکب ہیں۔ لیکن آپ کا گواہ آپ کے خلاف بیان دے رہا ہے کہ فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت بھی آپ کے خلاف ہے کہ روح زندہ ہے وہ سنتی ہے۔ جب قریب ہو قائلین سماع بھی قریب کی قید لگایا کرتے ہیں۔ دور سے سننا کوئی نہیں کہتا۔

صورت فیصلہ

صورت فیصلہ کی تشکیل سے پہلے یہ معروض خدمت ہے کہ میں جانبین کی گروہ بندی میں نہیں ہوں۔ نہ ایک جانب کا رکن نہ دوسری جانب کا معتمد علیہ ممبر۔ میری تحریر کو نہ کوئی امداد سمجھے نہ کوئی مخالفت پر محمول کرے۔ ''واللہ علی مانقول وکیل'' میں ایک ایسی عظیم شخصیت کا نام پیش کروں گا جو جانبین کے شیخ استاذ با شیخ الشیخ ہیں جس کے فرمان سے کوئی بھی سرتابی نہیں کر سکتا۔ اگر کرے گا تو ''خسر الدنیا والآخرۃ'' کا منظر دیکھ لے گا۔ جس شخصیت کے بارے میں علامہ شبیر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان آب زر کے ساتھ لکھنے کے قابل ہے۔ علامہ فتح الملہم میں فرماتے ہیں: ''لم یر مثلہ ولم نر مثلہ'' کہ نہ تو انہوں نے کبھی اپنے جیسا شخص دیکھا اور نہ ہم نے ان جیسا کوئی پایا وہ شخصیت حضرت شیخ مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی گرامی قدر ہستی ہے۔ حضرت کو قرآن و حدیث کی واقفیت کے ساتھ ائمہ دین مجتہدین کے علوم کی گہرائیوں سے بھی پوری خبرداری تھی۔ اس کے بعد مشائخ فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہ کی آراء وافکار سے بھی پورے باخبر تھے۔ حضرت مشائخ دیوبند رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو نہ صرف جاننے والے بلکہ بنانے والے تھے۔ اسی وجہ سے آپ مرجع الخواص والعوام رہے۔ آپ کا فرمان آخری فیصلہ قرار دیا جاتا تھا۔ چاہئے کہ آپ حضرات بھی اس پر آمین کہیں۔ آہ! مسائل اختلافیہ کو قصداً چھیڑا نہیں کرتے تھے۔ ہاں! حدیث میں جب بھی تذکرہ آ گیا، اس جگہ مالہ وما علیہ بیان فرما دیتے تھے اور اپنا رجحان بھی مختصر انداز میں بیان فرما جاتے تھے۔ ایک مسئلہ میں فرمایا اس میں مشائخ

دیوبند کا اختلاف ہے تھانہ بھون کا فتویٰ اور دیوبند کے مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ مختلف ہے۔ وجہ دونوں کی بیان فرمادی اور مجمل انداز میں ترجیح بھی بیان فرمادی کوئی سمجھا ہوگا۔ کوئی نہ سمجھا ہوگا اور یہ اس لئے کہ کہیں لوگ اس کو کھینچ تان کر ممبروں پر نہ لے جائیں۔ پارٹی بازی نہ شروع کر دیں۔ الحمد للہ کہ اس مسئلہ میں ابھی تک قیل وقال کا میدان نہیں بنا۔ مسئلہ سماع موتی کا جب بخاری شریف اور ترمذی شریف دونوں میں آتا تو بقدر ضرورت تحقیق فرماتے۔ بندہ نے بخاری شریف دوسال ۱۳۴۸ و ۱۳۴۹ھ میں پڑھی سنی اور آپ کا فرمان ضبط کیا۔ فللّٰہ الحمد!

ایک اور مسئلہ میں فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے تھے اور میرا یہ خیال ہے بعض مسائل میں آراء کا اختلاف دلائل اور مصالح کے پیش نظر آہی جاتا ہے یہ توہین نہیں ہوتی۔ دیکھئے کہ حضرات صاحبین امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ و محمد رحمۃ اللہ علیہ دونوں یا ایک اپنے شیخ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کر جاتے ہیں۔ کبھی مشائخ فقہاء فتوی بھی صاحبین کے مذہب پر دے دیتے ہیں۔ اس وقت مثالوں کی ضرورت اور موقع نہیں اہل علم جانتے ہی ہیں۔ میں تو وہ دو مسئلے بھی بیان نہیں کرنا چاہتا جو ابھی مجمل انداز میں بیان کر دیئے ہیں۔ کسی نے دریافت کئے تو عرض کروں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ! اس وقت ان کا بیان مقصد میں دوری پیدا کر دے گا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا رویہ آپ نے دیکھا سا کس قدر محتاط تھے اور شاگردی کا دعویٰ کرنے والوں کو دیکھئے کہ ایک ایسے مسئلہ میں جس میں اختلاف حق و باطل جائز و ناجائز کا ہے ہی نہیں بلکہ راجح اور مرجوح کا ہے۔ دونوں جانب اہل سنت کے شیوخ ہیں۔ ہر ایک کا مستدل کتاب وسنت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی آراء ہیں۔ انہوں نے اس مسئلہ کو پارٹی بازی تک پہنچا دیا ہے۔ جلسوں کی زینت اور طعن وتشنیع کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ حالانکہ ان کی طرف سے نقل کردہ حضرات مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات خود ان پر حجت بن رہی ہیں۔ شائد وہ یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں میں عقل وشعور نہیں جو ہم لکھ دیں گے یا کہ دیں گے عوام کی طرف سے آمنا وصدقنا کا جواب مل جائے گا۔ بے شک غلط چال سے آنکھوں پر اندھیرا آجاتا ہے عقل کام نہیں کرتی۔

دیکھئے سماع موتی کے رسالہ (ص ۷) پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں بندہ کے نزدیک مختلف فیہا مسائل میں فیصلہ نہیں ہوسکتا لیکن احوط کو اختیار کرتا ہوں۔ مان لیجئے کہ انہوں نے عدم سماع موتی کو پسند کیا اختیار کیا لیکن اس کو احوط ہی فرما کر لیا۔ اس کو صواب اور مقابل کو باطل تو نہیں فرمایا اور یہ بھی آپ جانتے ہی ہیں جب کہ احوطیت کا حکم اجتہادی مرحلہ میں ہوتا ہے۔ اجتہادیات میں اختلاف کی گنجائش رہتی ہے تو اس کو آپ حضرات نے کیوں فساد کا اکھاڑہ بنا دیا ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان بھی پہلے یہی گزرا کہ وہ اس کو مجالس عامہ میں لے جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے لفظ احوط سے بھی اسی طرف اشارہ ہے: ''یفعلون ما لا یومرون'' کیوں کیا جاتا ہے۔ اس میں وہ حضرات تو فیصلہ نہیں کر سکے اور آہ قطعی فیصلہ کر کے فریق ثانی کو کیا کچھ سناتے ہیں۔ شکایت یہ نہیں کہ آپ نے عدم سماع موتی کو کیوں اختیار کیا۔ شکایت یہ ہے کہ گزشتہ صدیوں میں اس کو مدار اہل سنت نہیں بنایا گیا۔ اب بھی اس میں مزید کھینچا تانی نہیں کرنی چاہئے۔ اس خلافیہ میں حضرت شیخ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان یہ تھا کہ سماع موتی کے مسئلہ میں اکثر مشائخ حنفیہ کا قول عدم سماع نقل کیا جاتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے لیکن بعض لوگ اس عدم سماع کو مذہب حنفیہ کہہ دیتے ہیں، یہ غلط ہے۔ مذہب وہ ہوتا جو امام صاحب سے صریحاً نقل کیا جائے۔ اس مسئلہ میں ایسا نہیں ہوا۔ متقدمین فقہاء میں سے کسی نے صریح نسبت اس کی امام صاحب کی طرف نہیں کی۔ متاخرین میں سے کسی نے کر دی تو اس نے فقہائے احناف کے قول

سے یہ سمجھا کہ شاید یہ امام صاحب کا قول ہوگا۔ حالانکہ اس کا اصل ماخذ وہ مسئلہ ہے جو شیخ ابن ہمام نے کتاب الایمان کے ایک جزئیہ میں بیان کیا ہے کہ کسی نے حلف اٹھائی کہ فلاں سے بات نہیں کروں گا اور پھر اس کے مرنے کے بعد اس سے بات کی تو وہ حانث نہیں ہوگا اور وجہ یہ ہے کہ مبنیٰ ایمان کا عرف پر ہوتا ہے۔ عرف میں یہ بات کرنا مشاہدہ افہام وتفہیم کو چاہتا ہے۔ مرنے والے میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ اس لئے حانث نہیں ہوتا۔ پھر فرمایا اصل حقیقت سماع ہے کثیر روایات شہادت دیتی ہیں لیکن ضابطہ کلیہ کے طور پر نہیں کہ جب ہم بات کریں وہ سن لیں عالم اسباب میں مسبب سبب پر مرتب ہوتا ہے لیکن میت عالم اسباب سے نکل چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے ہی ترتب ہوگا۔ اس طرح کے کلمات ہر سال درس حدیث میں بیان فرمایا کرتے تھے ہم نے بھی دو سال سنے اور تحریر میں ضبط کئے۔ فیض الباری میں حضرت مولانا محمد بدر عالم رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح آپ کی تقریر ضبط فرمائی۔ اس سے پہلے مولانا محمد چراغ صاحب نے العرف الشذی میں بھی ارقام فرمایا۔ (رسالہ سماع موتی ص ۱۶) پر امام صاحب رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ تینوں کی طرف عدم سماع کی نسبت کی گئی ہے یہ محض غلط بیانی ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے صریح فرمان کے خلاف ہے۔ میری باتوں پر اعتماد نہ کریں میں دو گواہ عادل نصاب شہادت پیش کر دیتا ہوں۔

(العرف الشذی، ص ۳۵۳) میں ہے: ''اشتھر علی السنة الناس ان الموتی لیس لھم سماع عند ابی حنیفة رحمہ اللہ وصنف ملا علی قاری رسالة وذکر فیھا ان المشھور لیس لہ اصل من الائمة اصلا بل احذ ھذا من مسئلة فی باب الایمان انہ اذا حلف انہ لا یتکلم مع فلان فمات الرجل فتکلم معہ علی قبرہ میتا لا یحنث اقول ان وجہ عدم الحنث ان مبنیٰ الایمان علی العرف واھل العرف لا یعلمون ان الموتی تسمع والمحقق ان ابا حنیفة لا ینکر سماع الاموات وان خالف ابن الھمام رحمہ اللہ فقال ان الموتی لا تسمع وان ذخیرة الحدیث تدل علیٰ سماع الاموات وقال الشیخ الموتی لا تسمع ویستثنیٰ منہ قرع النعال ولا سلام علیکم و اقول لو قلنا بسمع الاموات لا اشکال فانہ ثبت بقدر مشترک تواترا فی الحدیث ولا نتعرض الیٰ التخصیصات المتکلفة وسیما اذا لم یرد الانکار عن ائمتنا الثلاثة۔ اما الآیات المشیرة الیٰ عدم للسماع فلھا محامل حسنة''

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ، ابو یوسف رحمہ اللہ ومحمد رحمہ اللہ کی طرف رسالہ (سماع موتی ص ۱۶) پر کی گئی نسبت غلط محض ہے۔ جیسے پہلے عرض کر چکا ہوں۔ العرف الشذی کے اسی (ص ۳۵۲) پر فتح القدیر سے نقل کیا ہے: ''عن ابی حنیفة رحمہ اللہ ان الزائر یستقبل القبر ویستدبر القبلة ویتیا من شیئا لیراہ المیت'' امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قبر کی زیارت کرنے والے کو چاہئے کہ میت کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو تا کہ میت اس کو بآسانی دیکھ سکے اور مصنف رسالہ سماع موتی کا قول گزر چکا ہے کہ قبر میں دھڑ پڑا ہے روح وہاں موجود ہی نہیں۔ غور فرمائیں جب حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ میت کے لئے دیکھنا ثابت کرتے ہیں تو سننا بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس وقت دلائل سے بحث نہیں حضرت شیخ کاشمیری رحمہ اللہ کی فرمودہ باتوں کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ اس قسم کی فرمودہ باتوں کا تذکرہ فیض الباری میں بھی مذکور ہے۔ کچھ کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ: ''لا تسمع الموتی'' سے مراد نفی انتفاع ہے۔ اصل سماع کی نفی نہیں کی گئی۔ یعنی ''سماعا ینفعھم'' کی نفی ہے۔ دوسرا قول فرمایا: ''لا تسمع سماعا بحسب عالمنا ھذا'' یعنی اس جہان میں آپ جیسے سنایا کرتے ہیں اس طرح کا سنانا بعد

مرنے کے نہیں ہوسکتا۔ یہی وہ محامل ہیں جو (العرف الشذی ص ۳۵۳) کے حوالے سے گزرے یعنی ''اما الآیات الی قوله فلها محامل حسنة'' افسوس کہ رسالہ سماع موتی کے مصنف نے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی مراد الٹی بیان کردی یہ نہ سوچا کہ حضرت مرحوم کی تقاریر ضبط میں آچکی ہیں شاید میری تکذیب کی جائے۔

ان کی جماعت کے بعض حضرات نے جو حضرت شیخ کی شاگردی کا اعتراف بھی کرتے ہیں غالباً ایسی باتیں حضرت شیخ سے ضرور سنی ہوں گی۔ نہ معلوم ان کو کیوں پس پشت ڈال دیا ہے اور ممکن ہے کہ وہ کسی عذر کی وجہ سے ایسے قدر موتیوں سے محروم رہ گئے ہوں اور اگر قصداً انحراف کیا ہے تو جو اپنی منزلت کو حضرت شیخ سے بالا سمجھتا ہو وہ معذور ہوگا۔ لیکن دنیا تو ایسی بے خبر نہیں ہے۔ شیخ عثمانی رحمہ اللہ کا فرمان گزر چکا۔ ''لم یر مثله و لم نر مثله''

جیسے امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ باقی مصنفین کتب حدیث سے شان میں اونچے سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح قریبی زمانے میں حضرت شیخ کاشمیری رحمہ اللہ علم قرآن، حدیث، فقہ میں سب سے زائد دینی علوم کے مخزن اور سند تسلیم کئے گئے ہیں، انہی کی رائے سب سے مقدم اور وقیع سمجھی جائے گی۔ العرف الشذی اور فیض الباری کے حوالے سے حضرت شیخ کی فرمودہ باتیں اس کی محتاج نہیں کہ ان کی تائید اور علماء حضرات سے نقل کی جائے۔ کیونکہ آپ نقل میں نہایت ہی محتاط تھے اور علم وفہم میں بے نظیر بمنزلہ معجزہ خداوندی تھے ہر ایک کو ان کے سامنے سر جھکانا پڑتا تھا۔ آپ کا فرمان گزر چکا کہ سماع موتی کا انکار ائمہ مذہب سے مروی نہیں۔ ہاں! فقہاء احناف کا قول ہے جنہوں نے کتاب الایمان کے مشہور مسئلہ سے عدم سماع موتی کا قول کر دیا۔ اس کو مذہب نہیں کہا جاسکتا۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ رسالہ سماع موتی کے مصنف نے مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ کا جو فتویٰ (ص ۲۱) پر جس عنوان سے نقل کیا ہے، وہ بالکل بے سود ہے۔ مولانا لکھنوی رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں: فقہاء حنفیہ دریں بارہ مختلف اند اکثر قائل عدم جواز بریں بنا کہ سماع موتی ثابت نیست۔ چنانچہ در کتاب الایمان فتح القدیر (الیٰ) نوشتہ است۔ مصنف رسالہ سماع موتی نے اس کو انکار سماع موتی کی دلیل بنایا ہے۔

لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اکثریت ذخیرہ احادیث کی سماع موتی پر دال ہے اور نیز گزرا کہ وہ شیخ ابن ہمام کے قول کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ اس میں تکلفات بہت کرنے پڑتے ہیں ہمیں اس وقت بیان یہ کرنا ہے کہ حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ کا مختار بھی وہی ہے جو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرما چکے ہیں۔ ان کی عبارت آپ کے سامنے آرہی ہے اس سے حضرت شیخ کاشمیری رحمہ اللہ کی تائید بھی ہو جائے گی اور صاحب رسالہ سماع موتی کی تردید بھی کہ انہوں نے حقیقت کو نہیں سمجھا جلد بازی سے کام لیا ہے جیسے کہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ مرحوم کے فتویٰ میں انہوں نے کیا ہے۔

مولانا عبدالحیٔ رحمہ اللہ (عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح الوقایہ کتاب الایمان ج ۲ ص ۲۲۳) پر فرماتے ہیں: ''وبالجملة لم يدل دليل قوى على نفى سماع الميت وادراكه وفهمه وتامله لا من الكتاب ولا من السنة بل اسنن الصحيحة الصريحة دالة على ثبوتها له والحق فى هذا المقام ان هذا كله من تقريرات المشائخ وتوجيهاتهم وتكلفاتهم ولا عبرة بها حين مخالفتها الاحاديث الصحيحة وآثار الصحابة اما ائمتنا فهم بريئون عن انكار هذه الامور''

خلاصہ کلام یہ کہ کوئی قوی دلیل ایسی نہیں جو میت کے سماع، ادراک، فہم اور تامل کی نفی پر دلالت کرتی ہو نہ قرآن سے نہ سنت سے بلکہ سنت کی صحیح اور صریح روایات تو سماع میت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں اور حق بات اس مقام میں یہ ہے کہ مشائخ نے قسم کے باب میں سماع موتی کے بارے میں جو قول کیا ہے وہ محض ان کی اپنی تقریریں اور توجیہات ہیں جو محض تکلفات پر مبنی ہیں۔ احادیث صحیحہ صریحہ کے بالمقابل ان کا کچھ اعتبار نہیں۔ اسی طرح آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھی مخالف ہیں۔ رہا ہمارے ائمہ کا انکار تو وہ اس انکار سے بری الذمہ ہیں۔

نیز (عمدۃ الرعایہ ج ۲ ص ۲۲۳) پر ہے: ''وانما حکموا بالضرب والکلام والسخول علیه ونحوها بعدم الحنث عند وجود هٰذه الاشیاء بالمیت لکون الایمان مبنیة علی العرف والعرف قاض علی ان هذه الامور یراد بها ارتباطها مادام الحیاة لا بعد الموت۔ فالکلام بالمیت وان کان کلاما حقیقیا ویوجد فیه الاسماع والافهام لکن العرف یحکم بان المراد فی قوله لا اکلمک هو الکلام فی حالة حیاته وکذا الایلام وان کان یتحقق فی المیت لکن العرف قاض علی ان المراد فی قوله اضربک هو ضربه حیا لا میتا''

یعنی یہ کہ کسی نے کہا کہ قسم ہے میں تجھے ماروں گا اور تیرے ساتھ بات نہ کروں گا اور تیرے گھر نہ جاؤں گا اور پھر اس نے یہ کام اس کے مرنے کے بعد کر دیئے تو فقہاء فرماتے ہیں کہ وہ شخص حانث نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرف میں کسی کو مارنا اس کی زندگی میں مارنا سمجھا جاتا ہے نہ کہ مرنے کے بعد اسی طرح کسی بات نہ کرنا اور گھر نہ جانا بھی عرف میں دوسرے کی زندگی میں سمجھے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس کے مرنے کے بعد اگر یہ کام کر دیئے تو عرف کے اعتبار سے قسم کے خلاف نہ ہونے کی وجہ سے حانث نہیں ہوگا۔

باب دوم

دوسرا مسئلہ متنازعہ فیہا ''حیاۃ الانبیاء علیہم السلام فی قبورھم'' کا ہے کہ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر صلوۃ وسلام پڑھنے والوں کا صلوۃ وسلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں؟ یا نہیں۔ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاۃ قبر شریف میں روحانی ہے؟ یا جسمانی؟ یہ مسئلہ گزشتہ طویل عرصہ سے علماء دیوبند اور اپنے آپ کو دیوبندی کہلانے والوں میں آپس میں معرکۃ الآراء رہا ہے۔ بالآخر بعض حضرات اکابرین کی مساعی جمیلہ سے یہ طے ہو کر اتفاقی صورت میں آ گیا۔ ''الحمد للہ تعالیٰ علی ذالک'' ماہ جون ۱۹۶۲ء میں حضرت علامہ قاری طیب صاحب رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند پاکستان تشریف لائے اور جانبین سے گفتگو کر کے مندرجہ ذیل عبارت پر جانبین سے دستخط کرائے ''وللہ درہ وجزاہ اللہ احسن الجزاء'' متن عبارت مبارکہ یہ ہے: ''وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بتعلق روح حیاۃ حاصل ہے۔ اس حیاۃ کی وجہ سے روضہ اطہر پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوۃ وسلام سنتے ہیں۔'' دستخط کنندگان کے اسماء گرامی (۱) مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ، (۲) مولانا قاضی نور محمد صاحب قلعہ دیدار سنگھ (۳) مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ راولپنڈی۔

اس وقت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب موجود نہ تھے۔ ان کی جماعت والوں نے ان کے دستخط کرانے کی ذمہ داری لی وثیقہ مذکورہ میں یہ تحریر موجود ہے۔ مزید کچھ اور الفاظ اس ذمہ داری کی تکمیل کے متعلق بھی لکھے ہوئے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات اس مقصد خیر میں کامیاب نہ ہو سکے۔ کیونکہ آج تک مذکورہ فیصلے

کے خلاف شاہ صاحب کی جانب سے ندائیں اٹھتی رہتی ہیں، ان کی جماعت کا سارا زور ہی اسی پر صرف ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کی جماعت معتمد علیہ وکیل جناب سجاد صاحب بخاری اور جناب نیلوی صاحب مصنف رسالہ (سماع موتی ص ۲۵) پر حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اپنے مسلک کے بیان اور تائید میں لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام فرماتے ہیں اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ جو شخص حجرہ شریف سے آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجتا ہے آپ ﷺ اس کے سلام کو سنتے ہیں۔ شاید جماعت والوں نے اس حوالہ پر خوشی بھی منائی ہوگی۔ تعجب کی اوّلاً بات تو یہ ہے کہ نقل کرنا تو جانتے ہیں۔ لیکن دوست اور دشمن کی تمیز نہیں رکھتے۔ اس کے بعد متصلاً لکھتے ہیں حافظ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قبر مبارک سے دور باقی مسجد نبوی میں جو سلام پڑھا جاتا ہے۔ وہ آپ خود نہیں سنتے۔ (سبحان اللہ) قبر مبارک سے دور کی بات نقل کردی کہ اس میں نہیں سنتے کا لفظ ہے کیا یہ مفید ہوجائے گا؟

جناب اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبر مبارک کے پاس درود وسلام پڑھنے والوں کا درود وسلام آپ ﷺ خود سنتے ہیں یہ کلام تو ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات کی نقیض ہے اور اس کی تردید کررہی ہے اور یہ آپ کے زعم کے خلاف شہادت دے رہی ہے دور اور باقی مسجد سے سلام نہ سننے کی قید کا مفہوم کیا ہے: ''وبضدھا تتبین الاشیاء'' آپ کی لاٹھی آپ ہی کے لئے وبال بن رہی ہے دو متناقض باتیں ایک جگہ جمع کردیں دور جگہ ہوتی تو بھول جانے کا احتمال ہو سکتا ہے۔ یہ نظر کی کمزوری ہے۔ مزید افسوس یہ ہے مہ مصنف رسالہ سماع موتی نے خیانت بھی کی ہے۔ علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اوّل یہ بات بھی مذکور ہے کہ عند القبر آپ سلام سنتے ہیں دیکھیں۔ (تسکین الصدور ص ۳۴۶)

وثانیاً عرض یہ ہے کہ حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تو روضہ اقدس کی زیارت کے لئے سفر کرنا اسے بھی ناجائز ومنہی عنہ کہتے ہیں۔ ان کا اور ان کی جماعت والوں کا یہ مقرر اصول ہے۔ ان سے اگر ایسی بات منقول ہے تو اس کو تفرد ہی سمجھا جائے جیسے کہ بنیت زیارت روضہ اقدس کے سفر کرنے کی ممانعت میں وہ تفرد کر گئے ہیں۔ اس طرح اس میں بھی سمجھیں۔ ہاں اگر آپ اس میں ان کے ساتھ ہیں تو ہمت وجرأت کا ثبوت دے کر اس کا اعلان کیجئے، مگر جمہور اکابرین امت تو اس کے خلاف ہیں۔

وثالثاً یہ کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول آپ کے نقل کردہ مضمون کے خلاف جمہور کے موافق مروی ہے۔ (مناسک الحج طبع دہلی ص ۸۴) میں ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل لحوم الانبیاء فاخبر انہ یسمع الصلوۃ والسلام من القریب وانہ یبلغ ذلک من البعد'' (بحوالہ تسکین الصدور ص ۳۱۶) بلکہ (تسکین ص ۲۹۵، ۲۹۶) پر مزید لکھا کہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اتفق الائمۃ علی انہ یسلم عند زیارتہ علی صاحبیہ لما فی السنن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ انہ قال مامن رجل یسلم علی الا ردالله تعالٰی علی روحی حتی ارد علیہ السلام وھو حدیث جید'' (فتاوٰی ابن تیمیہ ج ۴ ص ۳۶۱) ''مامن رجل یسلم علی'' سے عند القبر ہی مراد ہے جیسے کہ ابھی ان کی عبارت میں گزرا۔ ہاں! بصورت ثانیہ آپ کو جب دور سے فرشتے کسی کا سلام پہنچائیں تو آپ جواب دیتے ہیں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تو عام سماع الموتی کو بھی حق کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''وسماع المیت للاصوات من السلام والقراۃ حق'' (اقتضاء الصراط المستقیم طبع مصر ۱۸۱)

تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے عند القبور سماع میں ان کا کیا اختلاف ہوسکتا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ رسالہ (سماع موتی ص ۲۵) پر جو امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول مصنف رسالہ نے اپنی تائید میں لکھا ہے وہ انہوں نے غلط نسبت کی ہے۔

رابعا یہ بھی غور فرمائیں کہ مصنف رسالہ (ص۱۰) پر لکھتے ہیں۔ مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں:
''انبیاء کرام علیہم السلام کے سواء اور کسی آدمی کی قبر پر سلام کرنا اور یہ سمجھنا کہ وہ سنتا ہے درست نہیں۔'' (سبحان اللہ) معلوم ہوتا ہے کہ مصنف رسالہ نے یہ باتیں نیم خوابی کی حالت میں لکھی ہیں صرف اخیر کے لفظ (وہ سنتے ہیں درست نہیں) کو دیکھا اور مفید مطلب سمجھ لیا اور نقل کر دیا۔ ان کے اول کلام کو نہیں دیکھتے کہ وہ فرماتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے سواء اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام تو سلام سنتے ہیں۔ ہاں! وہ غیر کی نفی کر رہے ہیں۔ آپ لوگ تو حضرات انبیاء علیہم السلام کا سننا بھی نہیں مانتے۔ جیسے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے آپ نے (ص۲۵) پر استدلال کیا ہے جس کی تردید گزر چکی ہے۔ آپ کی یہ لاٹھی بھی آپ کے خلاف ہے اور آپ کے گواہ بھی آپ کے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ سانپ کو لاٹھی سمجھ کر ہاتھ ڈالا گیا ہے۔ اللہ ہی حافظ ہو۔ علاوہ ازیں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو یہ تحریر فرماتے ہیں کہ بعض روایات معتبرہ سے ثابت ہے کہ باری تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر ایک فرشتہ مقرر فرما دیا ہے کہ اس کو ایسی قوت سامعہ عطاء فرمائی ہے کہ وہ تمام مخلوق کے صلوہ وسلام سن کر حضرت نبوی میں عرض کر دیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے ہیں۔ الیٰ قولہ کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا مجلس میلاد میں آنا بدن سے مفارقت کر کے ہوتا ہے یا کسی اور طریقے سے؟ اگر مفارقت کر کے مانا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں زندہ ہونا باطل ہو جاتا ہے۔ (کفایت المفتی ج۱ ص۱۶۰!)

کیا اس عبارت سے بقول حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت والجماعت کا مذہب قبر مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور عند القبر سماع ثابت ہو رہا ہے یا اس کا انکار؟

خامساً: اسی قسم کی ایک اور بات کو بھی دیکھتے جائیں رسالہ (سماع موتی ص۹) پر لکھتے ہیں حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفسیر میں فرماتے ہیں بدن نہیں سنتے۔ روح زندہ ہے وہ سنتا ہے اگر قریب ہو۔ مختصراً!

جناب من! روح کا قریب سے سننا جیسے انہوں نے فرمایا یہ سماع پر دلالت کرتا ہے یا عدم سماع پر ''توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ'' کیوں؟ جو لوگ سماع موتی کے قائل ہیں وہ بھی تو قریب سے ہی سماع کہتے ہیں رہا بدن کے اجزا کا سننا تو یہ کوئی بھی نہیں کہتا۔ ہاں! تعلق روح بالبدن کے اس حیثیت سے مردوں کا سننا کہتے ہیں۔ اس کو دیکھتے ہوئے ان کا رسالہ (سماع موتی ص۹) پر یہ نقل کرنا ''اجزاء البدن لا سماع لھا'' محل نزاع سے خارج کی بات ہے۔ کیونکہ گھٹنے ٹخنے وغیرہ اعضاء زندوں کے کب سنتے ہیں؟ الغرض حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان بھی مصنف رسالہ سماع موتی کے خلاف شہادت دے رہا ہے تین گواہوں کی گواہی آپ کے خلاف ہے۔ بالخصوص ان کا قول رسالہ (ص۵) میں یہ ہے روح جو سنتی ہے وہ وہاں (قبر کے مقام پر) موجود نہیں۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں روحیں جہاں کہیں ہوں۔ جب ان کا مقام ہی کہیں معلوم نہیں تو وہ سنتا ہے اگر قریب ہو۔ کیسے صادق آئے گا۔ جیسے ابھی حضرت مرحوم کے کلام لکھا گیا۔

وسادساً: ایک اور بات بھی دیکھتے جائیں (ص۱۶) پر ''فانک لا تسمع الموتٰی'' آیت کریمہ کا ترجمہ کرتے ہیں۔ (پس مردہ نہیں سنتا ہے) یہ تو آپ کی ذہنی مفروض بات ہے، یہ آیت کا ترجمہ نہیں۔ کیونکہ آیت کریمہ میں اسماع کی نفی ہے کہ تم سنا نہیں سکتے اور مردہ نہیں سنتا جو ترجمہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ مجرد کے صیغے کا معنی ہے۔ اس کے علاوہ

یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ (ص۱۶) رسالہ سماع موتٰی پر آیت: ''فانک لا تسمع الموتٰی'' کا ترجمہ نیلوی صاحب یہ کرتے ہیں۔ (پس مردہ نہیں سنتا ہے) پس فاء کا ترجمہ کیا اور مردہ نہیں سنتا یہ ''لاتسمع الموتٰی'' کا ترجمہ کیا اور غلط کیا ہے اور کاف خطاب کا ترجمہ چھوڑ ہی گئے کہ اس میں منہ پر چپت لگتی ہے اس کو اڑا ہی دیا۔ ترجمہ یہ بن جاتا ہے پس آپ مردہ نہیں سنتا ہے۔ سبحان اللہ! کیا ہی بلیغ کلام بن گیا۔ علمی عنوان سے یہ کلام اس طرح ہوگا کہ خبر ان کی جملہ ہو تو اس میں ضمیر ہوتی ہے جیسے کہ ''انک لا تھدی من احببت'' اور مردہ نہیں سنتا میں یہ نہی پائی جاتی جبھی تو معنی بے جوڑ اور رکیک بن گیا۔ یعنی پس آپ مردہ نہیں سنتا اور ''انک لا تسمع الموتٰی'' میں ضمیر موجود ہے یعنی آپ مردوں کو سنا نہیں سکتے اور یہ اللہ تعالٰی کا کام ہے جو معنیٰ خیز اور مربوط ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ موتٰی جمع یا اسم جمع کا لفظ ہے۔ قرآن میں فرمایا: ''والموتیٰ یبعثھم اللہ'' (یوم القیامۃ) (انعام:۳۶) ضمیر جمع کی لوٹائی گئی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: ''انا نحن نحی الموتٰی ونکتب ما قدموا واٰثارھم'' (یٰسین:۱۲) یہاں بھی جمع کی ضمیریں لائیں گئیں اور رسالہ کے (ص۱۶) پر ترجمہ میں مردہ نہیں سنتا اس کو مفرد بنایا گیا ہے۔ الغرض! مزید اور مجرد کا فرق نہ کرنا جمع اور مفرد کی تمیز نہ کرنا اور کاف خطاب کا نظر انداز کرنا یہ سب باتیں ترجمہ کرنے والے کی غلطیاں ہیں اور یہ تحریف ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ ترجمہ نہیں کیا اور یہ تحریف نہیں کی۔ حاشا وکلا ان کی طرف اس کی نسبت نہ کی جائے یہ لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے ترجمہ کیا گیا ہے کہ عوام یہ سمجھیں کہ مردہ نہیں سنتا اور یہ کلام اللہ کا منطوق مسئلہ ہے تا کہ یہ کہا جاسکے کہ سماع موتٰی کے قائلین قرآن کے صریح حکم اور بیان کی مخالفت کررہے ہیں۔ معاذ اللہ تعالٰی! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت کریمہ کا مفہوم نہیں بدلا اور نہ اس طرح بدلا جاسکتا ہے بلکہ وہ تو مراد میں کلام فرماتی ہیں کہ مردوں کو تم نہیں سنا سکتے سے مراد یہ ہے کہ وہ سن نہیں سکتے کیونکہ وہ بے جان ہیں۔ لیکن جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امت نے ان کی اس رائے کی مخالفت کی ہے۔ ''خالفھا الجمھور'' (فتح الباری ج۳ ص۲۷۷) جمہور یہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہماری جانب سے قصور ہے کہ وہ میت دارالاسباب سے نکل چکی ہے۔ سنانے پر سننا یقینی نہیں ہے یہ نہیں ہے کہ اس میں صلاحیت ہی سماع کی نہیں۔ کیونکہ تعلق روح بالجسد باقی رہتا ہے اس لئے سماع منفی نہیں۔ ہاں! اسماع منفی ہے قرآن کریم نے بھی اسماع کو منفی کہا ہے نہ کہ سمع کو جیسے کہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''نفی القرآن العزیز الاسماع من العباد وما افصح فی موضع بنفی السماع عن الاموات'' (فتح الملہم ج۱ ص۴۷۹) یعنی قرآن کریم نے بندوں سے اسماع کی نفی کی ہے اور کسی جگہ بھی اموات سے سماع کی نفی کی تصریح نہیں کی چہارم یہ بات بھی سوچیں کہ اگر مزید (اسماع) اور مجرد کا فرق نہ کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ: ''لاتسمع الموتٰی'' کا معنی یہی ہے کہ مردے نہیں سنتے جیسے کہ ترجمہ کرنے والے نے رسالہ (سماع موتٰی ص۱۶) پر لکھا ہے تو اس کے بعد والی آیت کریمہ: ''ان تسمع الا من یؤمن بآیاتنا'' کا بھی اسی کے مطابق معنی کیا جائے گا کہ سننے والے صرف مؤمن ہی ہوتے ہیں۔ اس وقت اس آیت کریمہ میں یہ مومن سننے والے بھی مردہ ہی مراد ہوں گے ورنہ یوں فرماتے مردے نہیں سنتے زندہ سنتے ہیں۔ اس طرح اوّل آیت: ''انک لاتسمع الموتٰی'' میں مومنوں کے بالمقابل کفار مراد لینے ہوں گے کہ کافر مردے نہیں سنتے۔ ہاں! مومن مردے مدفون سنتے ہیں۔ اس طرح یہ آیت مومنین اہل قبور کے سننے پر قطعی نص صریح بن جائے گی، یہ الزاماً کہا گیا ہے۔ ورنہ مراد تو یہ ہے کہ کافر آپ کی فرمودہ باتوں کو نہیں سنتے اور نہیں مانتے۔ ہاں! مومنوں کو آپ کی ہدایات نافع بن جاتی ہیں۔ وہ سنتے ہیں اور قبول کرتے ہیں لیکن اس وقت آیت کو سماع موتٰی کی نفی پر دلیل بنانا غلط ہو جاتا ہے یہ باتیں ضمنی طور سے آ گئی ہیں۔

اصل بیان یہ تھا کہ جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب نے مذکورہ بالا فیصلہ کو جو اکابرین ملت اور فضلاء کرام نے مصالحت کے لئے تجویز کیا اور وہ منظور ہوا اس کو انہوں نے تسلیم نہیں کیا "اعجاب کل ذی رای برایہ" والی بات صادق آرہی ہے۔ بعض لوگوں کو اس سے تعجب ہوگا لیکن یہ کوئی بعید بات نہیں۔ ان بقیہ حضرات کو انہوں نے اپنے امثال سمجھ کر اپنے اختلاف کو نہیں چھوڑا جس کو ضد کہتے ہیں اور اس کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ حضرت سید محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ جن کے آگے علمی دنیا کے فضلاء اور مشائخ کرام سرنگوں ہوئے بلا وجہ وجیہہ کے خلاف چال چل رہے ہیں جو یہ فرماتے ہیں: "اقول و الاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر" (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷) میں کہتا ہوں کہ سماع موتی کے بارے میں احادیث بلا شبہ درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور اپنے دوسرے مایہ ناز استاذ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے مسلک کے بھی خلاف چل رہے ہیں جو یہ فرماتے ہیں: "ان سماع الموتی ثابت فی الجملة بالاحادیث الکثیرة الصحیحة" (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹)

اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف میں حیات کے بارے صاف لکھتے ہیں: "وھو حی فی قبرہ الشریف" (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۹۸) اوروں کی شکایت کا کیا موقعہ ہے جب کہ ایک مدعی تلمذ کا یہ حال ہے۔

من از بیگانہ گاں ہرگز نتالم ہر آنچہ کرد باما آشنا کرد

ان حالات میں "لکم دینکم ولی دین" والی عبارت ہی بن گئی اس سلسلہ میں کچھ مزید باتیں عرض کرنے کا خیال تھا لیکن حالات مذکورہ کو دیکھتے ہوئے لکھنا بے سود نظر آتا ہے جو بضد ہو اس کا علاج نہیں۔ واللہ الموفق!

چند دنوں یہی خیال رہا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیاۃ فی القبور کا نازک اور باریک مسئلہ اکابرین ملت وعلماء راسخین بالخصوص حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی دقیق انظار عمیق افکار خداداد فراست اور ذکاء سے ان کی کتاب آب حیات میں محقق ہو کر طے ہو چکا ہے جن لوگوں کو ان کے الہامی حقائق سے شرح صدر نہیں ہوا تو وہ کسی اور کی باتوں سے کیا مطمئن ہوں گے۔ بالخصوص جب کی ان کے بعد ان کے پوتے جو اذکیاء عصر ہونے کے ساتھ اپنے جد امجد کے علوم و معارف سے پورے باخبر ہیں۔ یعنی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور دیگر علماء کرام کا متفقہ اجماعی فیصلہ بھی اس بارے میں معرض وجود میں آچکا ہے جس کا تذکرہ گزشتہ گزر چکا ہے۔ لیکن فریق ثانی کے راہنماؤں نے اس سے بھی اتفاق نہ کیا۔ وہ اپنی باتوں کو وحی خداوندی سمجھ رہے ہیں۔ اس میں ذرہ برابر ترمیم کو تیار نہیں تو ایسے حالات میں ہماری گزارشات کیا فائدہ دے سکتی ہیں، خاموشی ہی بہتر ہے۔ لیکن چند دنوں کے بعد دوسرا خیال یہ آیا کہ کوئی مانے یا نہ مانے معروضات تو پیش کردوں شاید کسی سلیم الطبع اور منصف مزاج کے لئے فائدہ مند بن جائیں۔ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "النصح لکل مسلم" کے فریضہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں "واللہ یھدی من یشآء الی صراط مستقیم ومنہ الاصابة والصیانة" حیاۃ انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اپنی قبور میں ایک حقیقت ہے جس کی تحقیق حضرت نانوتوی رحمہ اللہ دلائل عقلیہ اور براہین قطعیہ کے ساتھ اور حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب مدظلہ العالی نے ادلہ سمعیہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کی روشنی میں کردی ہے۔ مزید ضرورت (تو) نہیں لیکن چند باتیں اور بھی نظر آتی ہیں۔ خیال ہوا کہ گوش گزار کردوں شاید مزید طمانیت کا فائدہ دیں معلومات میں کچھ زیادت تو ہی جائے گی۔ اس کو دلیل اقناعی مفید ظن سمجھتا ہوں مبنیٰ اس کا بھی کتاب اور سنت صحیحہ ہی ہے لیکن بالتصریح نہیں کچھ نقل کے ساتھ عقل سے بھی کام لینا ہوگا۔ دل قبول کرے تو

مانیں نہیں تو بالائے طاق رکھ دیں۔ قرآن کریم نے موت اور نیند کو ایک بات میں جمع کر رکھا ہے کہ ان دونوں حالتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ بدن میں جونفس مدبرہ ہوتا ہے وہ قبض فرما لیتے ہیں اس کی واپسی وصولی کر لیتے ہیں۔ ''اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا'' بدن کے تصرف کے لئے جونفس ابدان میں ہوتے ہیں بوقت موت اور نیند ان کو اللہ تعالیٰ واپس لے لیتے ہیں۔ نیند والا مقبوض نفس پھر واپس بدن میں کر دیتے ہیں تاکہ اپنے حوائج دنیویہ واخرویہ پورے کرتا رہے اور موت کی حالت کا مقبوض واپس نہیں کرتے۔ حضرت شیخ سید انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ لفظ توفی کا طلاق موت پر جس کا معنی پورا لے لینا ہے۔ یہ قرآن کریم نے ہی بتایا ہے کہ موت میں کچھ وصولی ہوتی ہے۔ ورنہ عرف عام میں موت زوال الحیاۃ ہی کو سمجھتے ہیں۔ یہی معنی آیت کریمہ: ''یا عیسٰی انی متوفیک'' میں لیا گیا ہے کہ اے عیسیٰ میں تم کو پورے کا پورا لے لینے والا ہوں۔ آیت کریمہ: ''اللہ یتوفی الانفس حین موتھا'' میں توفی کا معنی موت کا نہیں کر سکتے کہ نفس کی موت نہیں ہوتی بدن سے علیحدگی ہو جاتی ہے۔ موت کا معنی ''حین موتھا'' کا مفہوم ہے توفی کا معنی صرف لے لینا ہے۔ اسی کو وصولی سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو بدن میں ڈالا تھا۔ موت کے وقت اس کو واپس کر لیتے ہیں۔

نیند میں قبض روح (نفس) کے تین درجات ہیں:

۱...... ایک عام جو علی العموم دیکھا پایا جاتا ہے کہ سونے کے وقت کھانا پینا چلنا پھرنا بولنا دیکھنا یہ آثار نمودار نہیں ہوتے۔ ہاں! بدن میں زندگی بہرحال رہتی ہے۔ قوۃ ہاضمہ اپنا کام کرتی رہتی ہے۔ ایک مخصوص مقدار کے بعد جاگتا ہے بھوک پیاس کا تقاضا ہوتا ہے۔

۲...... قرآن کریم نے ایک نیند ایسی بتائی کہ طویل عرصہ تک نہ بھوک لگے نہ پیاس جیسے اصحاب کہف کہ تین سو سال سے زائد عرصہ نیند کرتے رہے نہ کھایا نہ پیا۔ قرآن کریم میں ہے: ''تحسبھم ایقاظا وھم رقود'' تم ان کو جاگتے ہوئے سمجھو گے۔ حالانکہ وہ سوئے ہیں۔ ''ولبثوا فی کھفھم ثلث مائۃ سنین وازدادو تسعا'' تین سو شمسی سال ہیں اور زیادہ قمری کے حساب سے۔

۳...... تیسری قسم حضور علیہ السلام کی نیند ہے۔ اس میں بھی حسب ضابطہ مذکورہ قبض النفس پایا گیا۔ لیکن نہایت ادنیٰ درجہ کا۔ حدیث میں ہے: ''تنام عینای ولا ینام قلبی'' یعنی نیند کی حالت میں میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں دیکھنا نہیں ہوتا لیکن میرا دل بیدار ہوتا ہے۔ ''تنام عینای واذنای'' نہیں فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ کان بدستور سابق اپنا کام کرتا رہتا ہے جیسے قلب مبارک کے بارے ''لا ینام قلبی'' آ ہی چکا ہے کان کا کام سماع اصوات ہے۔ عام طور پر سوئے ہوئے شخص کے پاس باتیں کی جائیں وہ خبردار نہیں ہوتا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی نیند میں ایسا نہیں تھا ایک حدیث جو (بخاری ص ۵۰۴) میں ہے۔

اور مفصل روایت (مشکوۃ ص ۲۷) میں ہے: ''عن جابر رضی اللہ عنہ جاءت ملٰئکۃ الیٰ النبی ﷺ وھو نائم فقالوا ان لصاحبکم ھذا مثلا فاضربوا لہ مثلا قال بعضھم ان العین نائمۃ والقلب یقظ'' اسی طرح (مشکوۃ ص ۲۹) عن الدارمی کی روایت ہے کہ آپ ﷺ مسجد حرام میں دو اور آدمیوں کے درمیان سوئے ہوئے تھے کہ تین فرشتے آئے ایک نے دوسرے سے کہا کہ وہ آدمی جس کی تلاش میں ہم آئے ہیں کون سا ہے؟ دوسرے نے کہا کہ وہ شخص ان تین میں سے درمیانہ شخص ہے۔ دوسرے نے کہا کہ اس کی مثال بیان کرو کہ سمجھ جائے۔ پھر ایک نے کہا وہ تو

سویا ہوا ہے۔ دوسرے نے جواب دیا کہ سویا ہوا ہے لیکن اس کا دل جاگتا ہے۔ مثال بیان کردو پھر مثال بیان کی اور چلے گئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی یہ باتیں نیند کی حالت میں سنیں تھیں اور بعد میں بیان فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ان کی یہ سب باتیں سنیں اور بعد میں بیان فرمائیں آپ ﷺ نے ان کی تکذیب نہیں فرمائی کہ میں سویا ہوا نہیں تھا۔ جاگتا تھا یوں ہی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ یہ مذکورہ بات بتاتی ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے کہنے کی تصدیق کی کہ یہ نیند میں ہے۔ حضور ﷺ نے سوئے ہوئے ان کی یہ مذکورہ باتیں سنی تھیں۔ معلوم ہوا کہ آپ کی نیند سماع اصوات سے مانع نہیں تھی۔ یہ بات عام طور سے نہیں پائی جاتی۔ دوسری بات یہ بھی دیکھیں کہ ہم لوگ جب سو جاتے ہیں تو بدنی حالات سے خبرداری نہیں ہوتی۔ اس لئے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حدیث میں فرمایا: ''فانہ اذا نام استرخت مفاصلہ'' یعنی جب آدمی سو جاتا ہے تو بدن ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ بدن سے ہوا کا خروج ہوا ہو، اس لئے وضو کے ٹوٹ جانے کا حکم دیتے ہیں۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی نیند ناقض وضو نہیں تھی اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

(دیکھئے نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۳۸، معالم السنن للخطابی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۲۵۱، سبل السلام لامیر یمانی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۹۳، نیل الاوطار للشوکانی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۲۱۱، والعرف الشذی للعلامۃ الکشمیری رحمہ اللہ ص ۶۷، فتح الملہم للعلامۃ العثمانی رحمہ اللہ ج ۲ ص ۲۴۱، واللامع الدراری لشیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ ج ۱ ص ۸۴)

اس کا ماخذ وہ حدیث ہے جو (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۴، مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۵) میں ہے: واللفظ للبخاری رحمہ اللہ ''ان عینی ینامان ولا ینام قلبی'' اور (مشکوۃ ج ۱ ص ۱۰۶) میں ہے: ''ثم اضطجع فمنام حتی نفخ وکان اذا نام نفخ فاذنہ بلال بالصلوۃ فصلی ولم یتوضأ'' متفق علیہ حاشیہ میں ہے: ''لما کان قلبہ یقظان ولا ینام لم یکن نومہ مظنۃ فی حقہ۔ وھذا من خصائصہ'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اذان صبح کی ہوتے ہی دو رکعت سنتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔ پھر کبھی وظیفہ رات کے تھکان کی وجہ سے لیٹ جاتے تھے لیٹے ہوئے کبھی سو جاتے تھے پھر جماعت کا وقت ہوتا حضرت بلال رضی اللہ عنہ آکر جگاتے آپ جاگ کر جاتے ہی نماز شروع کر دیتے تھے۔ وضوء کا کرنا نقل کرنا نہیں کرتیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں تصریح ہے: ''ثم اضطجع فنام حتی نفخ ثم اتاہ المنادی فاذنہ بالصلوۃ فقام معہ الی الصلوۃ فصلی ولم یتوضأ'' (بخاری ج ۱ ص ۲۵) اس جگہ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ اجماع ہے کہ آپ کا وضوء نیند سے نقض نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ کہی جاتی ہے کہ آپ کی نیند ایسی نہ تھی کہ بدن سے بے خبری ہو جیسے عام لوگوں میں اندیشہ خروج ریح کا ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی نیند نہایت ہی خفیف انداز کی ہوتی تھی مناسب شان بھی یہی ہے۔ کیونکہ نیند غفلت کی حالت ہے۔ اس میں نہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہوتی ہے نہ دنیا کا کوئی کام کیا جاتا ہے۔ اسی طرح (بخاری ج ۱ ص ۱۵۴) میں ہے کہ آپ رات کو ۸ رکعات تہجد کے بعد کبھی سو جاتے پھر وتر پڑھتے۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''تنام قبل ان توتر'' آپ نے فرمایا: ''عینی تنامان ولا ینام قلبی'' اسی طرح (بخاری شریف ج ۱ ص ۲۵) میں روایت ہے: ''ان رسول اللہ ﷺ تنام عینہ ولا ینام قلبہ'' اس کے بعد یہ بھی خیال فرمائیں کہ: ''النوم اخو الموت'' کا مقولہ بھی مشہور ہے۔ یعنی دونوں میں بھائی چارہ ہے۔ (یعنی تناسب ہے) باری تعالیٰ جل جلالہ میں یہ دونوں نہیں پائی جاتیں اس لئے کہ ان سونوں میں نقص کا معنی پایا جاتا ہے۔ ''لا تأخذہ سنۃ ولا نوم'' دونوں صفات سلبیہ سے ہیں اور موت منافی حیات ہے۔ باری تعالیٰ ان سے منزہ ہے اس کو دیکھتے ہوئے عقل سلیم حکم کرتی ہے کہ نبی ﷺ کی موت بھی عام اموات سے خفیف درجہ کی

ہونی چاہئے۔ جیسے کہ آہ کی نیند کا حال ابھی گزر چکا ہے۔ قرآن کریم نے قبض النفس موت اور نوم دونوں میں فرمایا ہے۔ "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا" لیکن موت میں قبض نیند سے اتم درجہ کا ہوتا ہے۔ نیند میں قوت ہاضمہ اپنا کام جاری رکھتی ہے۔ کیونکہ جاگنے کے بعد اس نے کام سرانجام دینے ہوتے ہیں۔ لیکن موت کی صورت میں یہ بھی اپنا کام بند کر دیتی ہے نہ ظاہر میں کوئی حرکت محسوس ہوتی ہے اور نہ باطن میں۔ سارے بدن سے روح نکل جاتی ہے بدن جماد محض بن جاتا ہے۔ اسی لئے قبر میں جانے کے بعد مٹی کے ساتھ رل مل جاتا ہے روح خارج بدن سے ہوتے ہوئے صرف تعلق اجزاء بدنیہ سے رکھتی ہے۔ سزا جزاء میں دونوں کی شراکت ہوتی ہے۔ یہ عام اموات کا دستور ہے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کی موت (بالخصوص حضرت ﷺ کی موت) اس سے جداگانہ انداز کی ہے۔ عام اموات کے جو ظاہری حالات ہیں وہ سب ان میں نمودار ہوتے ہیں۔ نہ زبان حرکت کرتی ہے، نہ آنکھیں دیکھتی ہیں، نہ ہاتھ پاؤں ہلتے ہیں، نہ نبض چلتی ہے۔ حیات دنیویہ کے ظاہری آثار کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہ "کل نفس ذائقة الموت" کا مصداق اور منظر ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے خطبہ میں فرمایا: "ان محمدا قدمات" آپ کی موت کی تخفیف یہ نہیں ہو سکتی کہ ظاہری طور سے کوئی علامت حیات کی ان میں پائی جائے یہ تو ضابطہ مذکورہ کے خلاف ہوتا۔ موت کے لوازمات کفن دفن جنازہ قبرستان میں سپرد خاک کرنا سب کچھ ہوگا۔ ہاں! انبیاء کرام علیہم السلام کی موت کی تخفیف اور تقلیل تاثیر یہ کی گئی کہ ان کے ابدان شریفہ میں نفس کی تدبیر اور تصرف کے حرکات ارادیہ سے سابق درجہ کی وہ حیات جس سے بدن جماد ہونے سے متمیز ہوا تھا، وہ مقدار ان کے اجساد مبارکہ میں باقی رکھی جائے تاکہ ان کی برتری باقی رہے۔ زمین کے کھا جانے سے محفوظ رہیں۔ زمین حیات والی چیز کو نہیں کھاتی جیسے درخت کی جڑیں۔ ہاں! درخت خشک ہو جائے، جڑیں بے جان ہو جائیں، پھر زمین ان کو اپنے ساتھ ملا لیتی ہے۔ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجساد طیبہ کا تحفظ کیا گیا ہے اور مناسب شان "اعطاء کل ذی فضل فضله" کیا گیا ہے۔ یہی معنی ہیں حدیث: "ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی" کے نبی ﷺ کی حیات طیبہ اس درجہ کی ہے اس کی تقریبی مثال اصحاب کہف حضرات موحدین کاملین ہیں۔

تین سو سال تک وہ زندہ رہے، سوئے رہے۔ یہ زندگی موت ہی کے نمونہ کی ہے۔ نہ کچھ کھایا، نہ پیا نہ بھوک نہ پیاس نہ سردی کا احساس ہوا نہ گرمی نے ستایا نہ چلے پھرے پورے مردہ کے اوصاف ان میں پائے گئے۔ یہ ان کی اصل درجہ کی معمولی زندگی تھی۔ اسی مقدار کا میں نے حضرات انبیاء علیہم السلام میں حیات کا باقی رہنا عرض کیا۔ ان حضرات اصحاب کہف کا سویا ہوا ہونا تو قرآن عزیز نے بتایا سکھایا ایمان بالغیب مانا گیا۔ ورنہ صورتحال کے لحاظ سے یہ موت ہی کا نمونہ ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو قبور میں اسی طرح محفوظ سمجھ لیجئے۔ یہ جاہلانہ قول نہ کیجئے کہ حیاۃ مانتے ہو اور کہتے ہو تو دفن کیوں کیا جنازہ کیوں پڑھا کیونکہ موت یقیناً ہوئی ہے۔ احکام موت کے جاری ہوں گے لیکن ان کی موت عام لوگوں کی موت (جیسے ان کی زندگی عام لوگوں کی زندگی) سے متمیز شان والی ہے عوام کو وہ عزت حاصل نہیں۔ جو ان حضرات کو عطاء کی گئی ہے، شاید اسی تفاوت مرتبہ موت کی طرف آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا۔ "انک میت وانھم میتون" اگر ایک ہی انداز کی موت ہوتی تو پھر فرمان اس طرح ہوتا: "انک وانھم میتون" یہی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے نکتہ بیان فرمایا ہے اور ٹھیک فرمایا ہے۔ بندہ نے بھی یہی عرض کیا ہے۔ ہاں! راستہ الگ الگ ہے۔ منطقی اصطلاح کے لحاظ سے حضرت کی دلیل لمی ہے اور ہماری بیان کردہ دلیل انی ہے۔ سابقہ

بیان کے مطابق جب اصل حیاۃ کی کچھ مقدار حضرت نبی ﷺ میں بدستور باقی رہی تو ازواج مطہرات ﷢ کا حکم ''ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا'' کی وجہ بھی آپ کو معلوم ہوگئی اور حضور ﷺ کے متروک مال میں ورثہ جاری نہ ہونا بھی اسی کی تفریع ہے۔ الغرض! حضرات انبیاء کرام ﷩ کے عقیدہ موت بالخصوص حضرت نبی ﷺ کی موت کے باوجود اصل حیاۃ کا ان میں محفوظ رہنا ان کی عزت شان کے لئے کہا گیا بلکہ ان کی موت اور نیند دونوں میں تخفیف کا ہونا اور موت میں ادنیٰ درجہ حیات کا باقی ہونا یہ خاص اعزاز خداوندی ہے۔ اس لئے حضرات انبیاء کرام ﷩ کی شان رفیع میں موت کی حالت میں قبض النفس جو آیت کریمہ میں ہے اس کو قبض ناتمام کہا جائے گا۔ جیسے پہلے عرض کیا گیا ہے کہ نیند کی حالت کا عام طور سے قبض النفس بھی موت کے لحاظ سے ناتمام ہوتا ہے۔ چونکہ نیند میں موت جیسا قبض النفس نہیں ہوتا بلکہ اس سے خفیف انداز کا ہوتا ہے۔ اس کے باوجود آیت کریمہ میں دونوں کو جمع کیا گیا ہے۔ ''اللہ یتوفی الانفس حین موتھا'' الحاصل آیت کریمہ میں یہ عندالموت توفی یعنی قبض النفس کو مطلق کے درجہ میں رکھا جائے گا۔ عام لوگوں کا ایک انداز میں (قبض النفس تمام) اور انبیاء کرام ﷩ کا ان کی شان رفیع کے مناسب (قبض ناتمام) نیند کا قبض النفس وہ اور ہی انداز کا ہے۔ پھر اس میں تین درجات ہیں۔ نیند عوام کی، نیند خاص لوگوں کی جیسے نیند اصحاب کہف کی اور نیند خاص الخاص یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ کی، ''والتی لم تمت فی منامھا'' میں یہ تینوں صورتیں حسب مراتب مانی جائیں گی۔ اس لئے کہا گیا کہ: ''یتوفی الانفس'' میں مراد مطلق کا درجہ سمجھا جائے۔

ممکن ہے کہ کسی جہالت سے یہ سوجھے کہ جیسے نبی اکرم ﷺ کا جسد اطہر قبر میں محفوظ ہے جس کی علت بقاء حیاۃ فی الجملہ بتائی گئی ہے۔ اسی طرح بعض اولیاء شہداء اور صالحین کے اجساد بھی قبور میں محفوظ ہوتے ہیں زمین نے ان کو نہیں کھایا۔ اپنے ساتھ نہیں ملایا۔ وہ زندہ ہی سمجھے گئے۔ پھر ان کے مال میں وراثت کا قانون کیوں جاری کیا گیا اور ان کی ازواج نے بعد میں نکاح کیسے کرلیا۔ جب کہ خاوند زندہ ہیں۔ جواب یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام ﷩ بالخصوص حضرت سرور کائنات ﷺ کے اجساد مبارکہ کا سلامت رہنا، ان کے قبور میں زندہ ہونا تو قطعی یقینی اور ضابطہ شرعی ہے۔ ان کو تو ایسا ہی سمجھو جیسے کسی شخص کا بیرون ملک چلے جانا نہ تو اس کا مال سے تعلق ختم ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی بیوی کو حق پہنچتا ہے کہ دوسری جگہ شادی کرلے۔ لیکن انبیاء ﷩ کے علاوہ کسی اور کے لئے ایسی حیات کے ملنے اور پانے کا کوئی قطعی اور پختہ ثبوت نہیں مرنے کے وقت کسی کو کیا معلوم کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ عشرہ مبشرہ بالجنۃ کا جنت میں جانا بفرمان حدیث معلوم ہوا لیکن ان کے اجساد کا قبر میں محفوظ رہنا اس کی کوئی قطعی دلیل نہیں۔ اسی طرح بقیہ اولیاء اور شہداء کا حال سمجھئے۔ واللہ اعلم بالصواب!

حضرات انبیاء ﷩ کے اجساد طیبہ کا یہ تحفظ عصمت انبیاء کے قانون کے ماتحت اعزازی خاصہ ہے، قانونی احترام ہے اور کسی کے لئے یہ ضابطہ نہیں۔ ہاں! جس کو اللہ تعالیٰ نے اجساد کی سلامی قبر میں نصیب کردی تو وہ عطاء خداوندی ہے قانون سے بالاتر ہے۔ کسی کے متعلق یقین چھوڑ کر ظن بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بعض مدعیان علم کے قلم اور زبان سے یہ دیکھا سنا جاتا ہے کہ نبی ﷺ کے جسد اطہر کی سلامتی نہ مانی جائے تو کیا حرج ہے۔ برزخ میں جسد مثالی اس سے زیادہ عمدہ اور اعلیٰ شان والا مل گیا۔ اس خاکی بدن سے بدرجہا افضل اور اشرف حاصل ہوگیا حیات ابدان ماننے کی کیا ضرورت رہتی ہے مگر یہ محض ایک مغالطہ ہے، فریب ہے کہ لوگ سمجھیں کہ ہم حیات کا انکار کر کے توہین نہیں کرتے۔ زبان کی چالاکی سے بات منواتے ہیں۔ پاس دلیل کچھ نہیں ورنہ پیش کرتے۔ بالمقابل صریح اور صحیح احادیث سے جسم

عنصری کے ساتھ حیات انبیاء علیہم السلام فی قبورہم ثابت ہے جو تسکین الصدور میں بیان کی گئی۔ منصف کے لئے کافی وافی دلائل ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ ان کو وہیں دیکھا جائے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! شرح صدر ہو جائے گا۔

ہمیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ برزخ میں جسم مثالی اس خاکی جسم سے اشرف و اعلیٰ مل گیا۔ دیکھئے بدن مثالی اصل کے نمونہ کو کہتے ہیں نمونہ اصل کے برابر کبھی نہیں ہوتا جو فضائل اصل میں ہوتے ہیں وہ نمونہ میں نہیں پائے جاتے فوٹو کی اور شان ہوتی ہے اور اصل کی اور شاید انہوں نے جنت کے میوہ جات کے دنیا کے میوہ جات افضل ہونے کو بدن مثالی میں جاری کر دیا ہے۔ مگر یہ محض مغالطہ ہے علماء محققین کا قول تو یہ ہے کہ جسد مبارک ﷺ سے مٹی اور خاک کا جو حصہ ملا ہوا وہ عرش خداوندی سے بھی افضل ہے۔ (خاک کو یہ فضیلت جسد اطہر کی رفاقت سے حاصل ہوئی۔ اس لئے جسد کریم ﷺ کے اجزاء طیبہ کا مماثل اور کون اور کیا ہو سکتا ہے) بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر سنا ہی ہوگا۔ (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۸ اور بدائع الفوائد ج ۱ ص ۱۳۵) وغیرہ میں اس کی مفصل بحث موجود ہے کہ قبر مبارک کا جو حصہ آپ ﷺ کے جسد سے ملا ہوا ہے وہ کعبہ عرش اور کرسی وغیرہ سے افضل ہے۔ خاک کو یہ فضیلت جسد اطہر کی رفاقت سے حاصل ہوئی۔ اس لئے جسد کریم ﷺ کے اجزاء طیبہ کا کون مماثل ہو سکتا ہے۔ جسد مثالی تو ایک الگ چیز ہے جیسے خواب میں کسی کو اپنے شیخ اور استاذ وغیرہ کی ہیکل نظر آ جائے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی صورت مثالیہ مبارکہ خواب میں دیکھنے سے کوئی شخص صحابی نہیں بنتا۔ کیونکہ اس نے مثال کو دیکھا ہے، جسد عنصری کو نہیں دیکھا بہر عالم برزخ میں اس جسم کا ملنا خواب وخیال ہی ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

عام مشہور تو یہ ہے کہ جنت کی حوریں جو مومنوں کو ملیں گی ہر مومن کو (بخاری ج ۱ ص ۴۶۱) میں ہے: ''ولکل امرئ زوجتان من الحور العین'' اور زیادہ حسب درجات ملیں گی۔ حدیث شریف سے صراحۃً ثابت ہے کہ ان حوروں کا حسن وجمال جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے سب حق اور صحیح ثابت لیکن بعض احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہر شخص کی دنیوی منکوحہ بیویاں بشرط ایمان وہ بھی اس مرد کو ملیں گی اور ان کا حسن وجمال حوروں سے زائد اور اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔ حوریں ان کے حسن وجمال کو دیکھ کر رشک کریں گی۔ غور فرمائیں کہ یہ فضیلت دنیوی ازواج کو کہاں سے ملی یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت گزاری کے صلہ میں میسر آئی حدیث میں: ''بصلواتھن وصیامھن'' کے الفاظ میں موجود ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۴۱۷ ج ۷ ص ۱۱۹) جب کہ حوریں اس باب میں حصہ دار نہیں ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۴۱۷ ج ۷ ص ۱۱۹) ''الا ان فی السند سلیمان بن ابی کریمۃ ضعفہ ابو حاتم وبن عدی وفی المیزان واللسان ج ۳ ص ۱۰۳ ولم ار للمتقدمین فیہ کلاما'' اس کو دیکھتے ہوئے آپ اندازہ لگائیں کی جن اجزاء بدنیہ اور اعضاء جسمانیہ (نبی کریم ﷺ) نے ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاری۔ بھوک پیاس اور باقی جسمانی تکالیف میں جناب سرور کائنات ﷺ کی رفاقت اور معیت میں زندگی کے دن رات گزارے۔ کیا وہ اس لائق ہیں کہ وہ قبر میں جا کر مٹی میں گل سڑ رل مل جائیں اور حسن جزاء کے انجام سے محروم چھوڑ دیئے جائیں اور نیا بدن مثالی آپ کو مل جائے، آپ اس سے وابستہ ہو جائیں۔ پھر کیا وہ اجزاء طیبہ بارگاہ خداوندی میں یہ عرض نہ کریں گے کہ ہم نے روح کریمہ کے ساتھ ساتھ ساری زندگی گزری۔ اے پروردگار! پھر روح کو نعمتوں سے نوازا جائے اور ہمیں مٹی میں آلودہ چھوڑا جائے ایسا کیوں ہو۔ حالانکہ روح کریمہ کی کمائی بدن عنصری کی بدولت ہی ہوئی۔ اس لئے مناسب ہوا کہ روح طیبہ ﷺ کے حیات کریمہ کے ساتھ آپ ﷺ کے جملہ اعضاء جسدانیہ کے بھی صحیح سلامت ہونے کا قول

کیا جائے اسی کو مسئلہ حیات انبیاء کہا جاتا ہے۔ یہ حیات فی الجملہ کے درجہ کی ہے۔ اس میں دنیوی حیات کے ظاہری آثار نمودار نہیں ہوتے یہی حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ مہتمم دار العلوم دیوبند کا فرمان تھا جو فیصلہ میں نقل کیا گیا ہے اور یہی حق ہے کہ ہم نے اس مقدار حیات کو بدن میں باقی ماندہ برحال سابق کہا مقبوض بالائی درجہ ہے جو آثار خاصہ خارجیہ کا منشا بنتا تھا، اسی کو آپ کی موت کہا گیا۔ ''کل نفس ذائقۃ الموت'' صادق آ گیا اور ''نبی اللہ حی'' بھی اس دنیویہ حیات سے پایا گیا برزخی بھی ہے کہ یہ مقدار حیات عالم برزخ کے زمانہ میں پائی گئی۔ یہ ہمارا خیال ہے اور حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے بتعلق حیات دنیوی زندگی فرما رہے ہیں، وہ شاید مجموعہ کے لحاظ سے کہ مکمل بدن میں نہیں۔ ہاں! اس کا بدن سے تعلق باقی ہے مجموعہ کو آپ کے قلب مبارک میں سمٹا ہوا ہونا فرماتے ہیں۔ واللہ اعلم!

اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ شہداء کے ارواح کو بعد از وفات اجساد عنصریہ کے عوض میں اس سے بہتر نورانی اجساد مثالیہ عطاء ہوں گے جیسے مصنف ندائے حق نے کہا۔ (تسکین الصدور ص ۱۲۸) مزید یہ بھی کہا گیا کہ ارواح کو مثالی جسد عطاء ہوتا ہے جس میں قیامت تک رہ کر روح ثواب و عذاب پاتی رہتی ہے۔ وجہ غلطی کی یہ ہے کہ قابل وعزت واحترام وہی اجزاء ہیں جو شہداء کے ابدان میں تھے۔ خداوند تعالیٰ کے راستہ میں ٹکڑے ٹکڑے ہوئے۔ عبادت الٰہی میں طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں۔ ارواح کی کمائی انہی کے تعاون سے ہوئی۔ اس کے برعکس کفار اور مجرمین عصاۃ کے اجزاء بدنیہ ارواح کے ساتھ شریک جرم رہے۔ یہ بھی سب جانتے ہیں کہ: ''القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران'' ثابت ہو چکا ہے۔ یہ سزا و جزاء کا زمانہ ہے۔ اس کو ''اول منزل من منازل الآخرۃ'' کہا گیا ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ جیسے جسد عنصری مرکب ذی اجزاء ہے اسی طرح جسد مثالی بھی۔

جسد مثالی کے اجزاء نے نہ کسب خیر کیا نہ کسب شر میں حصہ لیا۔ بلا جرم ان کو عذاب دینا جیسے کہا گیا یہ انصاف ہے یا ظلم؟ ''ولا یظلم ربک احدا'' آ ہی چکا ہے۔ جو اجزاء بدنیہ جرم میں شریک کار تھے، ساری زندگی وہ روح کی معیت میں معاصی کا ارتکاب کرتے رہے۔ برزخی زمانہ میں تا قیامت آپ نے ان کو معاف کر دیا اور جسد مثالی کے اجزاء جنہوں نے جرم میں حصہ نہیں لیا۔ ان کو پکڑ کر آپ نے سزاوار بنا دیا۔

''لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت'' کا تقاضا یہ ہے کہ قبر کے زمانہ میں بھی سعید کو جزاء خیر اور شقی کو سزا ملے۔ آپ نے اصل اجزاء بدنیہ کو چھوڑ کر روح کے جسد مثالی کو ثواب و عذاب دینا کہا۔ مجرم کو چھوڑ کر غیر مجرم کو سزا دی۔ یہ ''لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ'' کے خلاف ہے۔ جن لوگوں نے جسد مثالی کی تجویز کی وہ جزاء وسزا کے باب میں نہیں کی۔ وہ تو اور مقاصد کے لئے کی گئی ہے اور اگر اس طرح کسی نے کہہ بھی دیا ہو تو اہل تحقیق اس کے خلاف ہیں۔ ''واللہ اعلم''

اس کے بعد یہ بھی خیال فرمائیں کہ میں نے عرض کیا تھا کہ مقبوض عند الموت نفس کا صرف وہ درجہ ہوتا ہے جس حیاۃ کے آثار حس وحرکت کا سبب بنتا ہے۔ علامت حیاۃ سمجھا جاتا ہے جس سے نبض کی حرکت اعضاء کی حرکت ہوتی ہے۔ یہی زندگی کی نشاندہی کرتی ہے۔ موت کے وقت اس کا قبض ہونا ضروری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حرکت قلب بند ہو گئی، مر گیا۔ لیکن قوت سماع جو دماغ میں ہوتی ہے وہ غیر محسوس ہوتی ہے۔ وہ علامت حیاۃ نہیں بنتی۔ زندہ اور مردہ کا اس میں امتیاز معلوم نہیں ہوتا۔ یہ قوت حیات کے توابعات میں سے ہے لیکن حیات کے فوقانی درجات جس میں حس وحرکت ہوتی ہے، اس کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہوتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زبان حرکت نہیں کرتی اعضاء بے حس ہو جاتے ہیں لیکن شخص بات سن کر سمجھ لیتا ہے۔ مثالوں میں طول ہوگا۔ اہل علم جانتے ہیں۔ ہاں! حیاۃ کے

ادنیٰ درجہ سے اس کی وابستگی ہوتی ہے۔ عام طور سے موت میں ازالہ حیات تام ہوتا ہے۔ قوت سماع بھی جاتی رہتی ہے۔ بلکہ گزر چکا کہ عام لوگوں کی نیند میں بھی قوت سماع مقبوض ہو جاتی ہے۔ لیکن سرکار دو عالم ﷺ کی نیند میں ایسا نہیں ہوا۔ آپ نے سوتے ہوئے بھی فرشتوں کی باتیں سنیں۔

اس طرح آپ کی بارگاہ عالی کا حق یہ ہے کہ آپ کا موت میں بھی یہ مقبوض نہ ہو کیونکہ یہ حیات کی علامت نہیں۔ بنتی اور فی الجملہ درجہ کی حیات آپ میں رہتی ہے۔ موت میں مقبوض فوقانی درجہ ہوتا ہے جو منشاء آثار ہوتا ہے اور موت میں حیات دنیویہ کی علامت کا قبض ہونا ہی ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کی موت میں اس ادنیٰ درجہ حیات اور قوۃ سماع کا واپس قبض کرنا مناسب شان عالی نہیں بنتا۔ بلاضرورت عطیہ نعمت کو کیوں قبض کیا جائے۔ ہاں! حیات دنیویہ کی اگر یہ علامت بنتی تو عندالموت قبض ضروری ہو جاتا۔ جیسے آنکھوں کی نعمت کہ ان سے دیکھنا حرکت کرنا دنیاوی زندگی کے آثار سے ہے۔ اس کا قبض کرنا ضروری ہو گیا۔ لیکن قوت شنوائی میں یہ بات نہیں ہے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کی قوۃ سماع حیاً و میتاً یکساں ہوگی۔ اسی لئے فرمایا کہ زائرین کا عندالقبر سلام و درود میں خود سنتا ہوں، جواب بھی دیتا ہوں۔ سننے کے لئے جتنی مقدار حیات کی ضرورت ہے وہ آپ میں موجود ہے۔ جو لوگ عندالقبر صلوۃ وسلام کے سننے کا انکار کرتے ہیں، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی منزلت رفیعہ کو نہیں سمجھا۔ اللہ سمجھ نصیب کرے۔ صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے۔ عقل سلیم کی شہادت صادقہ پائی جاتی ہے۔ اس سے انحراف اگر توہین شان نہیں ہے تو شبہ تنقیص ضرور ہے بلکہ سلام و درود کے علاوہ آپ سے عندالقبر استشفاع کی درخواست یا کوئی اور مناسب بات کہنا سب معقول اور قابل چیزیں ہیں، جس کی ضروری تشریح اور تفصیل تسکین الصدور میں کی گئی ہے۔ اس کے (ص ۳۸۶، ۳۸۷) پر مؤلف اقامۃ البرہان کی ایک انوکھی بات نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔ سماع عندالقبر چونکہ خلاف قیاس ہے۔ اس لئے اپنے مورد پر بندر ہے گا۔ لہٰذا سماع صلوۃ وسلام پر قیاس کر کے استشفاع عندالقبر کو جائز کہنا صحیح نہیں تعجب ہے کہ روایت انبیاء علیہم السلام کے عندالقبر سماع صلوۃ وسلام کو صحیح مان کر بشرط صحت خلاف قیاس کہتے ہیں۔ جناب من! خلاف قیاس کہنا غلط ہے۔ ہم نے ابھی عرض کر دیا ہے کہ عقل سلیم کا تقاضا یہی ہے کہ حضور ﷺ کی موت حیات دنیویہ کے ظاہری آثار و علامات کا قبض کرنا ہی انسب ہے۔ قوت سماع کا سلب کرنا غیر ضروری بلکہ غیر ملائم بھی ہے۔ عوام کی موت میں اور آپ ﷺ کی وفات میں فرق کرنا قرآن کریم نے سکھایا۔ حدیث نبوی ﷺ نے بتایا، عقل سلیم نے قبول کیا۔ ہاں! اگر آپ کی عقل کے خلاف ہے تو نہ آپ کی عقل لوگوں پر حجت ہے نہ ہم اس کے تابعدار ہیں۔

ایک اور مزے کی بات سنئے: اسی (ص ۳۸۷) پر سماع موتی کے انکار کی دلیل لکھتے ہیں جو اقامۃ البرہان کے مصنف نے لکھی ہے۔ فرمایا کہ حضرت عزیر علیہ السلام سو سال تک مردہ رہے اور جب اس کے بعد زندہ ہوئے تو انہوں نے اس طویل زندگی کو "یوماً او بعض یوم" سے تعبیر کیا۔ اگر سماع ثابت ہوتا تو ایسا نہ ہوتا بلکہ ان کو معلوم ہوا کہ کتنا عرصہ گزرا ہے۔ سبحان اللہ کیا ہی عجیب انکشاف ہوا۔

اولاً: کیوں جناب! طلوع و غروب جس کو اتنے سال ہو گئے یہ آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے یا کانوں سے سنا جاتا ہے۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ آنکھوں میں بینائی نہیں تھی۔ ہم تو سماع موتی کے قائل ہیں۔ کسی کا بولنا اور ان کا نہ سننا بتلائیے۔ اس واقعہ کو سماع سے کیا تعلق ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ سے لیلۃ التعریس میں صبح کی نماز قضاء ہو گئی۔ سورج چڑھنے کے بعد آپ جاگے۔ وہاں پر بعض لوگوں نے کہا کہ آپ بیدار کیوں نہ ہوئے۔ سورج کا

طلوع ہونا اور آپ کا اس سے بے خبر رہنا کیسے ہوا؟ جواب یہی دیا گیا کہ سورج کے طلوع ہونے کا دیکھنا تو آنکھوں کا کام ہے۔ حضور ﷺ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ سوتے ہوئے میری آنکھیں جاگتی ہیں۔ ہاں! یہ فرمایا کہ میرا دل بیدار رہتا ہے۔ دل کی بیداری سے سورج کا طلوع تو معلوم نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر عزیر علیہ السلام کا دل جاگتا بھی ہو، قوۃ سمع بھی ہو تو سورج کا طلوع وغروب اس سے کیسے معلوم ہوسکتا ہے؟

وثانیاً: عرض یہ ہے کہ اصحاب کہف زندہ تھے، سوئے ہوئے تھے۔ تین سو سال گزر گئے۔ جب اٹھے تو انہوں نے بھی یہی کہا تھا: ''قالوا لبثنا یوما او بعض یوم۔ کم لبثتم'' کے جواب میں آپ کے قول کے مطابق تو سماع موتی تو درکنار سماع احیاء بھی نہیں ہوگا۔ ورنہ اصحاب کہف بے خبر کیسے رہے۔ ان کو معلوم ہونا چاہئے تھا کہ کتنا عرصہ گزرا ہے۔ جیسے کہ آپ کا قول ہے، آخر یہی کہنا پڑے گا کہ وہ زندہ تھے لیکن سونے کی وجہ سے آنکھیں بند تھیں تو اسی طرح مردہ کی آنکھیں بھی بند ہی ہوتی ہیں۔ ان کو معلوم ہونا آپ نے کیسے کہا؟ جناب استدلال کے وقت آنکھیں تو کھولا کیجئے۔

خاتمۃ البیان

ابھی گزرا کہ قبر شریف کے پاس صلوۃ وسلام پڑھنے سے آپ ﷺ خود سنتے ہیں۔ اسی طرح آپ سے استشفاع بھی جائز ہے۔ یعنی آپ سے درخواست کرنا کہ آپ ہم گنہگاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں مغفرت کی دعا فرمائیں کہ اللہ جل جلالہ ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمائے۔ جیسے زندگی میں اس طرح کی درخواست کی جاتی تھی۔ ''واستغفر لھم الرسول'' کے فرمان کے مطابق یہ بھی جائز ہے۔

اور میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اسی طرح عند القبر کوئی اور مناسب بات کہنا سب معقول اور قابل قبول چیزیں ہیں۔ منکرین سماع اوّل میں بھی کائیں کائیں کرتے ہیں کہ فلاں راوی ضعیف ہے۔ جیسے کراچی والے نامسعود کا طریقہ ہے۔ اس کا جواب تو تسکین الصدور میں بھی دیا گیا ہے۔ مراجعت کر سکتے ہیں وہاں استشفاع کا ثبوت بھی کافی تفصیل سے ذکر کر دیا گیا ہے۔ ہمیں کچھ اور باتیں عرض کرنی ہیں۔ حضرت شیخ استاذ الکل مولانا سید محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ جب اس مقام پر پہنچتے تو والہانہ اور عقیدت مندانہ انداز میں حضرت مولانا علامہ عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ کی روضہ مبارک پر حاضری کا تذکرہ فرماتے کہ ہر سال حج کو جاتے تھے اور رخصت کے وقت جب روضہ شریفہ پر جاتے تو درود وسلام کے بعد نیازمندانہ اور عاشقانہ انداز میں سرکار دو عالم ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے عرض کرتے، خواجہ بسفری روم چہ فرمائی؟ جواب ملتا بسلامت روی وباز آئی۔ آخری سال ختم عمر کے وقت جب گئے اور اپنے سابقہ انداز میں جب بسفرے روم والا جملہ اجازت نامہ پڑھا۔ جواب نہ آیا تو اس سے سمجھ گئے کہ اب بازائی والی بات نہیں ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اس قصہ سے جو حضرت شاہ صاحب سے سنا گیا۔ چند باتیں معلوم ہوئیں۔ حضور ﷺ کا قبر شریف کے پاس سے کلام کرنے والوں کے کلام کو سننا اور اس کا جواب دینا بطریق اولیٰ ثابت ہوگیا اور اس سے استشفاع کے کلمات کہنے اور ان کا سننا بھی معلوم ہوگیا۔ اس کو میں نے دلیل نہیں بنایا کہ اس میں لیت ولعل کیا جائے بلکہ حضرت شیخ کی عقیدت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ آپ نے شیخ جامی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھنے کی چند اور باتیں بھی فرمائیں لیکن طول کی وجہ سے ان کو چھوڑتا ہوں۔ میں نے پہلے عرض کیا کہ بعض شاگردی کا اقرار کرنے والوں نے حضرت شیخ کے راستہ کو چھوڑ دیا ہے۔ شیخ کو شاید وہ دیوبندی

عقیدہ والے نہ جانتے مانتے ہوں گے، جبھی تو وہ دوسروں کو وہ بناسپتی دیوبندی کہتے ہیں۔ دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ فریق ثانی کے بعض بزرگ جو یہ کہہ رہے ہیں کہ صلوۃ وسلام کا سننا خلاف قیاس ہے۔ لہٰذا برتقدیر صحت مورد پر بندر ہے گا۔ ابھی ان کا قول گزرا ہے یہ غلط ہے۔ حضرت شاہ صاحب کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ قصہ سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے۔ حضرت اس کو قیاس کے مطابق بنا کر اور موارد میں بھی یہ حکم جاری فرمارہے ہیں۔ آپ حضرات کا یہ قول تو ظاہر یہ کے قول کے انداز میں ہے کہ ربوا کی حرمت اشیاء ستہ میں محصور ہے۔ حالانکہ یہ قول باجماع مجتہدین باطل ہے۔ آپ کا سماع کو صرف صلوۃ وسلام میں بند کرنا بھی اسی طرح ہے۔ پہلے گزر چکا ہے۔

تیسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت تا قیامت اسلامی عقیدہ ہے جیسے زمانہ حیات میں لوگوں نے بہترین جذبہ محبت اور عشق رسول ﷺ کا مظاہرہ کیا۔ دیدار کر کے جانیں قربان کیں۔ اسی طرح بعد کے آنے والے لوگ بھی کئی مخلصانہ اور والہانہ عشق رسول رکھنے والے پائے جاتے ہیں۔ دور سے پیار کرنے والے جب سرکار کے روضہ کے پاس حاضر ہو سلام کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ نے سنا اور جواب بھی دیا گو ہم نے ان کانوں سے نہیں سنا تو اس سے دل میں فراق کا صدمہ کم ہو جاتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ: ''کل نفس ذائقة الموت'' کے قانون نے ہمیں دیدار سے محروم کر دیا ہے لیکن محبوب کبریاء سے ہم کلامی کا شرف تو نصیب ہو گیا۔ محبوب سے وابستہ یادیں دیکھ کر قلبی تسلی ہو جاتی ہے تو کلام کرنے سے اس سے زائد حظ اور تسلی قلب حاصل ہو گی۔

(تسکین الصدور ص ۲۶۵) پر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان نقل کیا کہ: ''آیت کریمہ میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں تخصیص ہو تو کیونکہ آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لئے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا استغفار کرنا اور کرانا جب متصور ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں۔'' (آب حیات ص ۴۰)

اس لئے مناسب ہوا کہ آپ کی موت کی صورت میں پچھلوں کے لئے رابطہ قائم رکھا جائے۔ اسی ضرورت کے لئے آپ کی قوت سماع برحال رکھی گئی اور موت میں اس کا قبض کرنا نہ ہوا۔ اگر ہو بھی تو بہت معمولی انداز کا اس کا لازمی اثر یہ بھی ہوا کہ فی الجملہ حیات بھی بدن میں محفوظ رکھی جائے۔ ہاں! وہ چیزیں جو علامات حیات خارجی بنتی ہیں وہ مقبوض ہو جائیں۔ یہی انداز حیات اور قوۃ سماع کا باقی رکھنا اسی کو نا تمام قبض کہا گیا۔ ''ان محمد قدمات'' بھی صحیح ہوا اور ''نبی الله حي يرزق'' بھی صادق رہا۔ یہ حیات جسمانی ہے نہ کہ صرف روحانی اسی کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فیصلہ میں حیات بتعلق روح فرمایا اور اسی سے سلام و درود کا سننا فرمایا اور میں نے اسے جسد اطہر میں باقی رکھنا کہا۔ الحمد للہ کہ نتیجہ ایک ہی ہے۔

چوتھی بات یہ عرض کرنی ہے کہ فریق مخالف جو سماع موتی کے قائل نہیں، حضور ﷺ کے روضہ اقدس کے پاس سلام کرنے والوں کے سلام کا نہ سننا کہتے ہیں بلکہ بعض دفعہ اسے بدعت سیئہ سے ملا دیتے ہیں۔ قرآن کے خلاف ہونا بتاتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ جہاں یہ کام ہوتا ہے، وہاں جا کر ان باتوں کا اعلان کریں۔ حکومت سعودیہ کو ملامت کریں کہ تم نے یہ بدعت کیوں جاری کر رکھی ہے۔ پاکستان میں اس پر زور صرف کرنا بیکار ہے۔ وہاں جایئے اور فریضہ کی ادائیگی کا ثواب حاصل کیجئے۔ ''کلمة حق عند سلطان جائر'' بھی آیا ہے۔ دیکھئے وہاں سے کیا جواب ملتا ہے۔ یہی بات میں آٹھ تراویح پڑھنے والوں کو کہتا ہوں کہ حرمین شریفین میں بیس پڑھتے ہیں۔ وہاں جا کر کیوں خاموش ہو جاتے ہیں۔ پاکستان میں ڈنکے بجاتے رہتے ہیں۔ انعامی چیلنج دیتے ہیں۔ ٹھکانہ پر جا کر حق

واجب ادا کریں۔ وہاں جیل کا مقام بھی مل جائے اور ثواب دو چند ہو جائے مگر۔

ہر مدعی عشق کے لئے دار ورسن کہاں

اس کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ ایک اور بات کو جواب بھی دے دوں جو رسالہ (سماع ص ۱۵) پر مرقوم ہے ممکن ہے کہ بعض لوگ اس کو وقیع سمجھ کر الجھن میں پڑ جائیں فرمایا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قلیب بدر والی حدیث کی توجیہہ فرمادی اور اس سے سماع موتی ثابت کرنے کا راستہ بند کر دیا۔ اگر یہ مسئلہ اس دور میں اختلافی صورت اختیار کر چکا تھا تو قائلین سماع نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی توجیہہ وتاویل کا جواب کیوں نہیں دیا۔ بعد والوں نے تو اتنے ڈھیر سارے جواب سوچ لئے، مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کا جواب نہ سوجھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سکوت ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے ہاں اس مسئلہ اختلاف موجود ہی نہ تھا۔

الجواب: ''اقول و باللہ التوفیق و منہ الھدایۃ الی التحقیق'' اس بیان کے بعض اجزاء کا جواب تو پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اس کو قرن اوّل کا اختلافی مسئلہ فرما چکے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ قرن صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلافی مسئلہ میں دوٹوک فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ ہاں! ترجیح دی جاسکتی ہے۔ الیٰ آخرہ!

ان کے اصل الفاظ یہ ہیں: ''مسئلہ سماع موتی کا قرن اوّل میں مختلف ہوا ہے۔ اب اس کا فیصلہ تو ممکن ہی نہیں۔'' (لطائف رشدیہ ص ۷ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۶۱) میں ہے: ''سماع موتی میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے ہے۔'' اور خود مؤلف اقامۃ البرہان اپنی تالیف جواہر القرآن میں لکھتے ہیں: ''سماع موتی کا مسئلہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔'' (جواہر القرآن ص ۹۰۲ طبع اوّل)

رہی یہ بات کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی توجیہہ وتاویل کو صحیح نہیں سمجھا تو اس کی تردید کیوں نہیں کی۔ ان کے سکوت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو قبول کیا۔ اختلاف کچھ نہیں کیا۔ اختلاف بعد کی پیداوار ہے جیسے ان منکرین کے کلام میں ہے۔

تو اس کا جواب اوّلاً یہ ہے کہ کبھی کوئی بڑا شخص عظیم القدر غلط بات بھی کہہ جاتا ہے لیکن اس کی عزت اور احترام ووقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے خاموشی اختیار کی جاتی ہے، اسی کو ادب کہا جاتا ہے۔ خاموشی ایسے وقت اذعان اور قبولیت کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ ادباً ایسا کیا جاتا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے روّیہ میں اس کے بے شمار نظائر آپ کو نظر آئیں گے۔ آج کل کا روّیہ اس کے خلاف ہے۔ ہر شخص اپنے آپ کو سب سے اونچا جانتا ہے اور ''انا اعلم وابرو اتقی'' کا گمان رکھتا ہے۔ میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سکوت بھی عزت قائل کو مدنظر رکھتے ہوئے ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر میں فریضہ کی چار رکعات نماز پڑھنا ثابت نہیں۔ ہمیشہ قصر کرتے تھے۔ جیسے کہ حنفیہ کا مذہب ہے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب حج کو گئیں تو انہوں نے رباعی نمازوں میں اتمام ہی کیا۔ جب ان سے سوال کیا گیا تو جواباً فرمایا کہ میں ام المومنین ہوں۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۳۰) ''وازواجہ امہاتھم'' قرآن میں آچکا ہے، لہٰذا میں مسافر نہیں ہوں۔ اگر یہ تعلیل صحیح ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوالمومنین ہیں وہ مسافر کیسے ہوسکتے ہیں۔ لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جواب کو سن کر خاموشی ہی اختیار فرمائی۔ یہ ادب کے انداز میں خاموشی مسئلہ کی دلیل نہیں بنتی۔ اصل حقیقت کچھ اور ہے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سرسری سی بات فرمادی جس کو ٹالواں جواب کہتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت کے زمانہ میں حج کرنے گئے۔ انہوں نے بھی رباعی نمازوں میں قصر نہیں کیا، چار ہی پڑھتے تھے۔ جب ان سے سوال کیا گیا تو ایک جواب "انی تاھلت بمکۃ" کا دیا اور دوسرا یہ کہ بہت سے نئے لوگ مسلمان ہونے والے اعراب ہمارے ساتھ حج میں آ کر نمازیں پڑھنے والے ہیں۔ اگر میں قصر کروں تو شاید وہ یہ گمان کریں کہ ظہر عصر اور عشاء کی نمازیں دو دو رکعات ہی ہیں۔ اس غلطی سے بچانے کے لئے میں نے چار رکعات پڑھی ہیں۔ (محصلہ ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۰)

یہ دلیل بھی ناتمام ہے۔ کیونکہ زمانہ نبوی و زمانہ شیخین رضی اللہ عنہما میں بھی یہ عذر تھا لیکن انہوں نے چار چار نہیں پڑھیں۔ لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو سن کر بھی خاموشی فرمائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نہ مناظرہ کیا نہ اس میں محاذ اختلاف بنایا۔ غالباً آپ حضرات کا مذہب بھی اس مسئلہ میں قصر کرنا ہی ہے مگر اس کو اختلاف کا محاذ نہیں بناتے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی قصر مروی ہے لیکن وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین کے پیچھے (باوجود انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے) چار ہی پڑھا کرتے تھے لیکن یہ بھی فرمایا کہ افسوس میرے لئے ان چار رکعات کی بجائے دو رکعات ہوتیں تو کیا اچھا ہوتا۔ "فیالیت حظی من اربع رکعتان متقبلتان" (بخاری ج ۱ ص ۱۴۷، ۲۲۵) کسی نے پوچھا آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں گفتگو کیوں نہیں کی، تو فرمایا: "الخلاف شر" (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۰) کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اجتہادی نظریہ ہے۔ میں اس میں اختلاف پسند نہیں کرتا۔ خاموش ہی رہے۔

۳...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے خاموشی بھی ادب اور احترام کے درجے میں کی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجتہادیات میں ایک دوسرے سے الجھتے نہیں تھے۔

۴...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن و ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ" کہ میت پر اس کے گھر والے جب روتے ہیں تو اس سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور ایک کا گناہ دوسرے پر کیسے پڑ سکتا ہے اور "لاتزر وازرۃ وزر اخری" کی تلاوت فرمائی ایک واقعہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت صدیقہ کا انکار نقل کیا گیا تو وہ خاموش رہے جواب نہیں دیا۔ مشکوۃ میں قصہ مروی ہے لیکن خاموشی مقامی اور وقتی طور پر کی گئی کہ ماتم کے گھر یا اس کے قریب اس طرح کا شور و شغب مناسب نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انکار سن کر اس کی جواب دہی نہیں آئی اور اس کو تسلیم کر لیا اور اپنی روایت میں شک ہو گیا۔ یہ سکوت بھی ادب کے درجے میں تھا۔ اس کے علاوہ مقام مناسب بھی خاموشی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ دونوں روایتوں کو صحیح قرار دے کر ان کے درمیان تطبیق دے رہے ہیں کہ عذاب اس صورت میں رونے سے میت کو ملتا ہے۔ جب کہ رونا اس کے کہنے سے کیا گیا ہو یا وہ جانتا ہو کہ روئیں گے۔ لیکن منع نہیں کیا اور اگر منع کرنے کے باوجود روئے تو میت کو عذاب نہیں ہوتا۔ "لاتزر وازرۃ وزر اخری" کا یہی محل ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۷۱)

یہ بات غلط ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا سکوت اس مسئلہ میں عدم اختلاف کی دلیل تھا۔

۵...... ایک بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کا جنازہ مسجد میں پڑھنے کا پیغام بھیجا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی بات کو پسند نہ فرمایا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک حدیث کا حوالہ بھی دیا لیکن جواب میں خاموشی اختیار کی گئی۔ تردید نہیں کی گی۔ یہ بھی ادب تھا۔ اس کو اچھالا نہیں گیا۔

یہ بھی پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس چیز کا انکار کیا، وہ مرفوع حدیث صحیح فرمان رسول ہے جس کے راوی متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ولم ینفرد عمر ولا ابنہ بحکایۃ ذالک بل وافقھما ابو طلحۃ رضی اللہ عنہ'' ان کی روایت (بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ و مسلم ج ۲ ص ۳۸۷) میں ہے: ''کما تقدم .... نی من حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ مثلہ باسناد صحیح و من حدیث عبداللہ بن سیدان نحوہ'' (فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۵ و نقلہ فی فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۸) اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام میں گزرا ''خالفھا الجمھور'' اس سے جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم ہی مراد ہیں اور مخالفت دوسرے کی رائے کے رد ہی کی صورت میں ہوتی ہے اور اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے کی تردید ہوئی۔ اسی لئے اس کو قرن اوّل کا اختلاف کہا گیا ہے۔ یہ بعد کی پیداوار نہیں۔ ہاں! حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم یا تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ کے زمانوں میں اس کو معرکہ نہیں بنایا گیا۔ جیسے آج کل کے دور میں ہو رہا ہے۔

الغرض عام مسئلہ سماع موتی کا اختلاف قرن اوّل سے ہی چلا آتا ہے اور فریقین کے خیال میں یہ اجتہادی اختلاف ہے۔ جیسے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے فرمان میں گزر چکا ہے۔ ہاں! عند القبور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ (دیکھئے فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹ طبع دہلی) اور (فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۲۲) میں ہے کہ اجماعی مسئلہ کا انکار کرنا گناہ ہے۔ (محصلہ) لیکن اس کو کرم فرماؤں نے پارٹی بازی بنا رکھا ہے۔ میں ان مذکورہ مسئلہ کی تحقیق نہیں کرنا چاہتا۔ صرف یہ بتاتا ہے کہ کبھی خاموشی تسلیم کے طور پر نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ کہنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی توجیہہ اور تاویل کی تردید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں کی، خاموشی اختیار کی۔ معلوم ہوا کہ وہ بھی ان کے بیان سے متفق ہو گئے۔ یہ بات قابل غور ہی نہیں بلکہ سراسر مردود ہے۔ وما علینا الا البلاغ!

بندہ عبدالقدیر عفا اللہ عنہ

۲۱ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ

ڈاک خانہ و مقام مومن پور تحصیل و ضلع اٹک

باب سوم

چند ضروری باتیں

ہماری نظر سے یہ رسالہ ازالۃ الاوہام فی احادیث خیر الانام گزرا اس کے بیانات پر تعجب بلکہ افسوس ہوا۔

اوّل: اس لئے کہ فاضل مصنف نے احادیث صحیحہ خاص کر صحیح بخاری کی روایات کو کس بے باکی سے اپنے خیال کے مخالف سمجھتے ہوئے معارض نصوص قرآنیہ کا بہانہ بنا کر گرانے اور ٹالنے کی مذموم سعی کی۔ اپنی فہم علم کو امام بخاری رحمہ اللہ کی فہم و علم سے فائق سمجھتے ہوئے امام موصوف رحمہ اللہ کی مخالفت کی۔ ان کی جماعت اگر اس سعی نامشکور کو پسند کرے تو ان کی مرضی۔ سنجیدہ طبقہ تو ایسی حرکت پر لاحول ہی پڑھے گا۔ احادیث صحیحہ کو ایسے حیلے بہانے سے ٹالا جائے تو دین کا خدا ہی حافظ ہو۔ جو مرضی ہو، کرتے جاؤ۔ دیکھئے (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۸) کی حدیث: ''انہ لیسمع قرع نعالھم'' کو جو سماع موتی پر دلالت کرتی ہے۔ بزعم خویش آیت کریمہ: ''انک لا تسمع الموتی'' اور ''ما انت بمسمع من فی القبور'' کے معارض کہہ کر من مانی کارروائی کر گئے ہیں کہ ایسی حدیث کا اعتبار نہیں نہ

ناسخ بنتی ہے نہ مخصص۔ (ازالۃ الاوہام ص ۶) سبحان اللہ العظیم! اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق دے۔ علم والا مخص تو ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ ضد اور چیز ہے۔

شاید آپ نے پڑھا سنا ہوگا کہ عربی محاورات میں مجرد اور مزید کے صیغوں کے اختلاف سے معنی اور مراد میں فرق آجاتا ہے۔ حدیث شریف میں: ''یسمع قرع نعالھم'' مجرد کا صیغہ مروی ہے جس سے سمع کا ثبوت معلوم ہوتا ہے اور آیت کریمہ میں دونوں جگہ مزید کا لفظ لایا گیا ہے۔ ان میں اسماع کی نفی کی گئی ہے۔ سمع میت کی صفت ہے اور اسماع پکارنے والے کا فعل ہے۔ خواہ اثر مرتب ہو یا نہ ہو۔

محل اثبات اور ہے اور محل نفی اور ہے تعارض و تناقض کہاں سے پیدا ہوگیا۔

در تناقض ہشت وحدت شرط داں وحدت موضوع و محمول و مکاں

آپ نے پڑھا سنا ہی ہوگا: ''فلاں کھا تا ہے کھا سکتا ہے'' کا اور مفہوم ہے اور ''فلاں کو تم نہیں کھلا پلا سکتے'' کا اور مفہوم ہے۔ نادان ہی اس کو تعارض بنائے گا۔ کیسی واضح بات ہے۔ واللہ الھادی!

دوم بات قابل غور یہ ہے کہ مشہور ہے: ''فقه البخاری فی تراجمه'' یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک اور مختار وہی ہوتا ہے جو ترجمۃ الباب میں وہ ذکر کر جاتے ہیں۔ ''سترة الامام سترة لمن خلفه'' ترجمۃ الباب قائم کیا۔ آگے اس کی حدیث لائے جس سے یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے۔ ایسے ہی سب کتاب میں کیا گیا۔ مسائل ترجمۃ الباب میں لاتے ہیں اور دلائل کے لئے احادیث صحیحہ لایا کرتے ہیں۔ چنانچہ (ج ۱ ص ۱۸۷) میں ترجمۃ الباب ''المیت یسمع خفق النعال'' ذکر فرمایا اور اس کے اثبات کی دلیل صریح ''انه لیسمع قرع نعالھم'' لائی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس خلافیہ میں سماع موتی کے قائل ہیں اور اسی کو صحیح سمجھتے ہیں اور یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اگر اس کو صحیح نہ سمجھتے اور آیات قطعیات کے معارض و مخالف جانتے تو اس کو ذکر ہی نہ کرتے۔ کیا امام موصوف رحمہ اللہ باطل کی تعلیم و تلقین کر گئے ہیں جیسے کہ فریق ثانی کا خیال ہے۔ جہاں امام موصوف مسئلہ میں تردد کرتے ہیں وہاں دونوں جانب کا تذکرہ کر جاتے ہیں۔ اپنی طرف سے فیصلہ نہیں کرتے مگر یہاں ایسا نہیں کیا۔ صرف سماع المیت کا باب ذکر فرمایا ہے۔ مخالف جانب کا ایک حرف بھی نہیں لائے۔ یہ بات شہادت صادقہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مختار مسلک سماع الموتی ہی ہے۔ دوسرا راستہ انہوں نے اختیار نہیں کیا۔ اس بات سے بخوبی معلوم ہوگیا کہ مصنف ازالۃ الاوہام کا حدیث: ''یسمع قرع نعالھم'' کو آیات قرآنیہ کے مخالف و معارض کہنا غلط افسانہ ہے۔ آپ کی فہم اور علم امام بخاری رحمہ اللہ سے فائق نہیں۔ وہ اس کو مسئلہ بنا رہے ہیں اور آپ اس کو ساقط کر رہے ہیں۔ ھذا عندی واللہ اعلم!

(مصنف ازالۃ الاوہام ص ۴) پر لکھتے ہیں کہ فلاں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث (بخاری ج ۲ ص ۵۶۷) سے چشم پوشی کر لی ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ بے شک چشم پوشی جرم ہے لیکن آپ نے تو صحیح حدیث کو مسخ ہی کر دیا ہے۔ یہ چشم پوشی سے زائد جرم ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے چشم پوشی اس لئے کی کہ اس سے پہلے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ اس سے چشم پوشی کر چکے ہیں۔ دیکھئے امام موصوف رحمہ اللہ، حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صحیح بخاری میں لائے لیکن اس پر ترجمۃ الباب عدم سماع الموتی کا نہیں ذکر کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس کو بحیثیت مسئلہ نہیں لیتے۔ ہاں! اختلاف کے بیان کے لئے اس کو ذکر فرما گئے ہیں۔ لیکن خاموش گزر گئے ہیں۔ آپ کے مسلک کی دلیل